مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت، خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

نگرانِ اعلیٰ: خان بشیر احمد خان رفیق لندن مدیر: رانا عبدالرزاق خاں معاون مدیر: سید حسن خان

مدیر خصوصی: سہیل لون مینجنگ ڈائریکٹر: عاصی صحرائی فوٹو گرافی: قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر آڈیو وڈیو: محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

فہرست

اداریہ		2
غزلیات	(ادارہ)	3-5
قندیل شعر و سخن	رانا عبدالرزاق خان	6
پاکستان کا قومی ہیرو جنرل اختر حسین ملک	رانا عبدالرزاق خان	7
جنرل اختر حسین ملک ۔ چند یادیں	بشیر احمد رفیق	10
جنوبی ایشیاء کے مسلمان	مجیب الرحمن شامی	12
ساغر صدیقی کی یاد میں	اردو سورس ڈاٹ کام	13
نوبیل انعام یافتہ احمد حسن زویل کی وفات	زکریا ورک کینیڈا	14-15
ابن سینا نامور طبیب سائنسدان، فلسفی	اے آر رجپوت	16
سپینوزا سترھویں صدی کا باغی فلاسفر	اردو سورس ڈاٹ کام	17
دُنیا کے چند مشہور تاریخی قلعی	عاصر صحرائی	18-19
آن لائن	طارق احمد مرزا	20-22
ڈنک	احمد منیب ایم اے	23-24
واٹس ایپ کی بے پناہ مقبولیت	اردو سورس ڈاٹ کام	25
ملاحظاتِ کاشغری	نجم الثاقب کاشغری	26-27
پرانے سکے جن پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے	رانا عبدالرزاق خان	28
حاصل مطالعہ	عاصی صحرائی	29-32
صحت سے متعلق خبریں	(ادارہ)	33-34
عالمی خبریں	(ادارہ)	35-37
جانوروں کی دُنیا	(ادارہ)	38
بچوں کی دلچسپ کہانیاں	(ادارہ)	39-40

--*

اداریہ:

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

قارئین کی خدمت میں پہلے بھی کئی بار گزارش کی جاتی رہی ہے۔کہ یہ رسالہ محض ادب کی ترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ اس میں مذہبی، سیاسی مضامین بھی شائع کئے جاتے ہیں مگر ان سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔اس میگزین کے دروازے سب مذاہب کے ماننے والوں کے لئے بلکہ ہندو، سکھ، عیسائی، یہود اور ہر قسم کے مسلمان بلکہ سب کے لئے کھلے ہیں۔یہ ایک ادبی رسالہ ہے۔جس میں اردو کی ترویج کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس رسالے کو جنوری ۲۰۱۳ء میں شروع کیا گیا تھا۔یہ اس کا پینتالیسواں ۴۵ نمبر شمارہ ہے۔اس عرصے میں اس رسالے کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔یہ رسالہ کم وبیش تقریباً دوصد ممالک میں چار لاکھ اُردو ادب کے قارئین تک جاتا ہے۔زیادہ تر www.qindeel-e-adub.com کی ویب سائٹ سے پڑھا جاتا ہے۔مگر میں ذاتی طور پر بذریعہ ای میلز E.MAIL جو کہ میرے پاس ہیں۔میں خود دوستوں کو send کرتا ہوں۔اور پھر مجھے response بھی آتا ہے۔اب تو مضامین اور شعروادب کی بھرمار ہے کہ سلیکشن مشکل ہو جاتی ہے۔بعض احباب (ان کا مواد دیر سے چھپنے کا) شکوہ کرتے ہیں۔

بہرحال یہ سب سلسلہ آپ سب دوستوں کے پیار اور محبت کا کرشمہ ہے۔جو اس رسالے کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔زیادہ تر یہ رسالہ لندن پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش ہی میں پڑھا جاتا ہے۔مگر آپ حیران ہونگے کہ افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، فی جی، نیوزی لینڈ، باہاماس، پانامہ، گوئٹے مالا، کینیا، کانگو، گھانا، گیمبیا، سیرالیون، ساؤتھ افریقہ، چلی، وینکوور، جہاں جہاں اردو ریڈرز موجود ہیں وہاں اس کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے۔ہمارا بھی اس سے کوئی کمرشل مقصد نہیں۔صرف بے لوث خدمت ہی ہے۔اور یہ عشق ادب ہے یا جنونِ ادب۔جو آپ لوگوں کے تعاون اور دعا سے بڑھتا ہی جارہا ہے۔اس کا خرچ خاکسار اپنی جیب سے ہی ادا کررہا ہے۔جب آپ سب کے مضامین، اور تعریفی ای میلز آتے ہیں تو میں اپنے ربِ کریم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔اور آپ سب کے لئے دعا گو ہوتا ہوں۔یاد رکھو یہ اُردو زبان ایک دن سارے جہان کی زبان ہوگی۔اور اُردو ہی انگریزی زبان کی جگہ لے گی۔کیونکہ یہ وقت کے امام کی زبان ہے۔اور میرا یقین ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ضرور ایک دن اقوامِ عالم میں مقبول کرے گا۔آمین۔

آپ کا مخلص

رانا عبدالرزاق خان لندن

E-mail: ranarazzaq52gmail.com

غزلیات

حمد باری تعالیٰ

پروفیسر محمد ہادی مونس کنیڈا

وہ کون ہے جو کبھی تجھ سے فیض یاب نہیں
جہاِ ارض و سما پر تیرا جواب نہیں
تیرے وجود پاک میں خاص برکت ہے
تیرے بغیر کسی شے پہ آب و تاب نہیں
تیری چمک سے سدا کائنات نورانی
غروب ہونا تیری صفتِ ماہتاب نہیں
اگر نہیں ہے محمد ﷺ سے کوئی شناسائی
برائیوں کا زمانے میں کوئی سدِّ باب نہیں
تو آفتاب کی مانند ضوفشاں ہر دم
کہ دوسروں میں کوئی مثلِ آفتاب نہیں
خدا کے پاک پیغمبر ﷺ کی شان میں مونسؔ
درود پڑھنا صبح و شام کم ثواب نہیں

صابر ظفر

ستّر برس قفس میں رہو تم تو کیا کرو
اس کے سوا کہ حلقۂ زنجیر وا کرو
ہم سادہ دل رہے ہیں ہمیشہ شکستہ دل
تم تو مزاحمت ہی مسلسل کیا کرو
لڑتے رہے ہیں ہم تو نہتے ہی عمر بھر
دشمن ہو سامنے تو مسلّح رہا کرو
یہ وقت گل زمیں کی حفاظت کا وقت ہے
تم تو مقامِ صبر سے آگے چلا کرو
مظلوم کی دعا سنی جاتی ہے اے ظفرؔ
آزاد ہر کوئی ہو یہاں، یہ دعا کرو

جمیل الرحمن

قریۂ ضبط کو حیران اگر کر دوں تو
مر چکا ہوں میں یہ اعلان اگر کردوں تو
زندگی تیرے تماشے نہیں دیکھے جاتے
اب تجھے بے سرو سامان اگر کردوں تو
اپنے لا یعنی شب و روز پہ برہم ہوں میں
ان شب و روز کا اعلان اگر کردوں تو
اک ستارہ مجھے سرگوشی میں دھمکاتا ہے
گوشۂ شب کو بھی ویران اگر کر دوں تو
بندگی کی بھی مری ذات پہ تہمت نہ رہے
کفر کو شاملِ ایمان اگر کردوں تو
خود غرض سیکھ نہیں سکتے محبت کی زباں
ان کے صیغوں کی ہی گردان اگر کردوں تو
دل تو پہلے ہی ٹھکانے پہ نہیں اپنے جمیلؔ
اُس کی زلفیں بھی پریشان اگر کردوں تو

جگر مرادآبادی

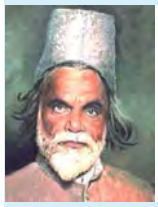

اک لفظ محبت کا، ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دل عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے
یہ کس کا تصور ہے؟ یہ کس کا فسانہ ہے؟
جو اشک ہے آنکھوں میں، تسبیح کا دانہ ہے
اک عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے
کیا حسن نے سمجھا ہے؟ کیا عشق نے جانا ہے؟
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
یا وہ تھے خفا ہم سے، یا ہم تھے خفا ان سے

کل ان کا زمانہ تھا، آج اپنا زمانہ ہے
اے عشق جنوں پیشہ، ہاں عشق جنوں پیشہ
آج ایک ستم گر کو ہنس ہنس کے رلانا ہے
یہ عشق نہیں آساں، بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے، اور ڈوب کے جانا ہے

فیض احمد فیض

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن، کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے
ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظمِ بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد
بہت ہے ظلم کہ دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہل جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس، مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح شام کرتے ہیں
بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رُخ پر بکھر گئی ہوگی
غرض تصورِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایہ دیوار و در میں جیتے ہیں
یونہی ہمیشہ اُلجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے
گر آج تجھ سے جدا ہیں تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اَوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں
جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

چوہدری محمد علی مضطر عارفی

قصّہ یہ ہے کہ جس کو بھی دیکھا قریب سے
لپٹا ہؤا تھا آپ ہی اپنی صلیب سے
مَیں خود بھی اپنے آپ کو پہچانتا نہ تھا
ناحق گزر رہا تھا وہ میرے قریب سے
اے اہل شہر! شہر کے دُکھڑوں کی داستاں
لکھوا لیا کرو کسی اچھّے ادیب سے
آئیں خبر فروش تو ان سے ملاؤ ہاتھ
مقتل میں جا کے صلح بھی کر لو رقیب سے!
اب آئینوں میں شہر کی قسمت پڑھا کرو
ہیں صورتیں نئی نئی، چہرے عجیب سے
اب کر سکو تو آپ ہی اس کا کرو علاج
درماں کی کچھ اُمید نہ رکھو طبیب سے
لکھا گیا ہے دار پہ جس باوفا کا نام
اس کے نصیب پوچھ کسی خوش نصیب سے
کافر لکھا ہے نام ہمارا سرِ صلیب
ملتا ہے ایسا مرتبہ مضطرؔ ! نصیب سے

صابر ظفر

ستّر برس قفس میں رہو تم تو کیا کرو
اس کے سوا کہ حلقۂ زنجیر وا کرو

ہم سادہ دل رہے ہیں ہمیشہ شکستہ دل
تم تو مزاحمت ہی مسلسل کیا کرو
لڑتے رہے ہیں ہم تو نہتے ہی عمر بھر
دشمن ہو سامنے تو مسلّح رہا کرو
یہ وقت گل زمیں کی حفاظت کا وقت ہے
تم تو مقامِ صبر سے آگے چلا کرو
مظلوم کی دعا سنی جاتی ہے اے ظفرؔ
آزاد ہر کوئی ہو یہاں یہ دعا کرو

طفیل عامر

دُکھ ہجر کے، فرقت کے یہ سہتی رہیں آنکھیں
کچھ بات تو تھی جس کو ترستی رہیں آنکھیں
انجان سے اک خوف نے خاموشی سے مارا
اب بول بھی دو وقت ہے کہتی رہیں آنکھیں
تھی بات نبھانے کی تو پھر ساتھ نہ چھوڑا
جو حال بھی تھا ساتھ ہی رہتی رہیں آنکھیں
ساون کے مہینے تو کئی آئے، گئے بھی
بادل تھا نہ برسات، برستی رہیں آنکھیں
احساس مگر اُن کو نہ تو ہونے دیا تھا
دل جانتا ہے، دل میں اُترتی رہیں آنکھیں
وہ بات جو تھی دیکھ نہ پایا میں کسی میں
آ آ کے مرے پاس گزرتی رہیں آنکھیں
پڑھ لیتا ہے تحریر، لکھی ہو کہ نہ ہو، دل !
بات اپنی سے دیکھا کہ مکرتی رہیں آنکھیں

شہزاد قیس

غرورِ حُسن میں شاہی جلال ہوتا ہے
پری رُخوں کا سبھی کچھ کمال ہوتا ہے
بدن بھی حشر بپا دَھڑکنوں میں کرتا ہے
پھر اُس پہ چلنا قیامت کی چال ہوتا ہے
پناہ بادلوں میں ڈھونڈتا ہے ماہِ تمام
جو بے حجاب وہ زہرہ جمال ہوتا ہے
کسی شجر پہ پکے پھل نے مسکرا کے کہا :
'یہ عشق روزِ اَزل سے وَبال ہوتا ہے'
وُہ اَپنے عاشقوں کا، ذکر چھیڑ دیتے ہیں
مرے فرار کا جب احتمال ہوتا ہے
دُعا ہے عشق مرا، تیری رُوح تک پہنچے
یہی نشاط فقط لازَوال ہوتا ہے
جو وَقتِ رُخصتِ محمل تھا حال مجنوں کا
کچھ ایسا حال مرا سارا سال ہوتا ہے
وُفورِ آرزو ، دَراَصل زِندگانی ہے
تمنا مرتی ہے تب اِنتقال ہوتا ہے
اَگر وُہ لب نظر آئیں تو زُلف بھی دیکھو
ہر ایک دانے پہ موجود جال ہوتا ہے
نگاہِ قیس سے دیکھو، ہمیشہ لیلیٰ کو
صنم کسی کا بھی ہو، بے مثال ہوتا ہے

قیصر شیراز

یہ رُکے رُکے سے آنسو یہ دبی دبی سی آہیں
یونہی کب تلک خدایا غم زندگی نبھائیں
کہیں ظلمتوں میں گھر کر، ہے تلاش دست رہبر
کہیں جگمگا اُٹھی ہیں میری نقش پا سے راہیں
تیرے خانماں خرابوں کا چمن کوئی نہ صحرا
یہ جہاں بھی بیٹھ جائیں وہیں اُن کی بارگاہیں
کبھی جادہء طلب سے جو پھرا ہوں دل شکستہ
تیری آرزو نے ہنس کر وہیں ڈال دی ہیں بانہیں
میرے عہد میں نہیں ہے یہ نشان سر بلندی
یہ رنگے ہوئے عمامے یہ جھکی جھکی کلاہیں

قندیل شعروسخن برطانیہ مشاعرہ

رپورٹ
رانا عبدالرزاق خان

مورخہ ۱۸ ستمبر بروز اتوار بوقت ۵ بجے شام Boniface hall Mitcham Road Tooting میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ یہ مشاعرہ قندیل شعروسخن مشاعرہ برطانیہ کے فورم کے زیر انتظام تھا۔لندن میں سے دُور دُور سے بہت سارے (۳۰) شعراء تشریف لائے تھے،محفل کے میزبان رانا عبدالرزاق خان نے بہت ہی خوش اسلوبی سے نظامت کے فرائض ادا کئے۔ پہلے حصہ جناب طفیل عامر کی کتاب ''دُھپ کڑا کی'' کی تقریب رونمائی پر مشتمل تھا۔اس کتاب پر جناب امجد مرزا امجد نے تجزیہ پیش کیا۔جو بہت ہی مفصل اور دلکش تھا۔ان کے بعد طفیل عامر صاحب نے اپنی کتاب کی سرگزشت سنائی،اور اس میں سے اپنا چنیدہ کلام پڑھ کر سنایا،اور سامعین سے خوب داد حاصل کی،ان کے بعد رانا عبدالرزاق خان نے بھی اس کتاب پر تبصرہ کیا۔کتاب ۶۰ غزلوں پر مشتمل ہے۔ زیادہ تر غزلیں چھوٹی بحر میں ہیں۔کلام بہت ہی شستہ ہے۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے نے ایک غزل پنجابی میں ''دُھپ کڑا کی'' کے متعلق رانا عبدالرزاق خاں ناظم مشاعرہ کو ارسال کی جو کہ انہوں نے پڑھی۔ جسے بہت سراہا گیا۔اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا جس کی صدارت ، پاکستان سے تشریف لانے والی شگفتہ شفیق صاحبہ کے حصے میں آئی ،اور مہمانانِ خصوصی کا اعزاز،جناب شکیل مرزا، سلطان صابری، مبارک صدیقی، ابراہیم رضوی،،کو دیا گیا۔باقی شرکاء مشاعرہ مندرجہ ذیل تھے۔مبارک صدیقی،عاصی صحرائی،اقبال مجیدی ،امجد مرزا امجد بارکنگ، ،ریاست رضوی ، ثروت اقبال،،محمود علی محمود،ساجد محمود رانا،رمضان شائق ، واحد اللہ جاوید، ثروت اقبال ، عبدالقدیر کوکب، منظور ریحان،ڈاکٹر کاشف،زاہد اسلم ،کوثر علی صاحبہ، سلطان صابری،شکیل مرزا،اسلم چغتائی،ریاست رضوی،ابراہیم رضوی،طفیل عامر،فرحانہ غزالی،،کرشن بیدنت موجود،ڈاکٹر آصف علی پرویز،ڈاکٹر صوفیہ سطوت صاحبہ،حمیدہ معین رضوی صاحبہ،مبارک احمد مبارک، رانا محمود احمد، عاصی صحرائی نے مشاعرے میں کلام سنا کر بہت داد حاصل کی۔جناب امجد مرزا امجد نے غزل سنا کر سماں باندھ دیا۔اقبال مجیدی نے دہلوی سٹائل میں کلام سنا کر سامعین کو خوب خوش کیا۔جن کو سامعین نے بہت سراہا۔اپنے خاص انداز میں کلام سنا کر محفل میں رنگ جما دیا۔،اقبال مجیدی،امجد مرزا امجد، ،،ڈاکٹر صوفیہ سطوت صاحبہ،اور ساجد محمود رانا نے کلام سنا کر حاضرین کے دل موہ لئے۔سب شعراء کا کلام سُن کر ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آرہی تھیں۔حاضرین نے دل کھول کر داد دی۔دوران مجلس جوس کیک بسکٹ کا خاطر خواہ انتظام تھا،آخر میں پیزا،اور آئس کریم پیش کیا گئی،حاضرین کی تعداد تقریباً تھی محفل خوب بارونق تھی،سبھی نے ایسی مجالس کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کیا۔سب احباب خوشی خوشی دوبارہ ملنے کے وعدے کے ساتھ اور اس سہانی شام کی یادوں کو لئے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

***

پاکستان کا قومی ہیرو جنرل اختر حسین ملک

رانا
عبدالرزاق
خاں لندن

''لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک، ملک وقوم کے ایسے ہیرو تھے کہ جن کا نام پاکستانی بچوں کو بھی یاد ہے۔ جب ان کی سرکردگی اور نگرانی میں پاکستانی افواج چھمب اور جوڑیاں کے آہنی مورچوں کو مسمار کرتے ہوئے جموں کی طرف بڑھ رہی تھیں تو لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک پاکستانیوں کی بہادری اور استقامت اور اولوالعزمی کی ایک مجسم تصویر بن کر ابھرے۔ اور اہل پاکستان کے ذہنوں پر چھا گئے۔''

(روزنامہ جنگ کراچی ۹ ستمبر ۱۹۶۹ ص ۴)

اختر حسین ملک یکم اگست ۱۹۱۷ء کو اٹک (سابقہ نام کیمبلپور) کے ایک گاؤں پنڈوری میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج کیمبلپور کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد ۱۹۴۱ء میں انڈین ملٹری اکیڈمی دہرا دون میں تربیت کا آغاز کیا۔ جس کی تکمیل پر مسلح افواج میں کمیشن حاصل کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں اختر حسین ملک نے برما کے محاذ پر جنگی خدمات انجام دیں۔ اس کے صلے میں آپ کو ''برما سٹار'' کا اعزاز دیا گیا۔ قیام پاکستان سے قبل آپ کا تقرر جی ایچ کیو انڈیا میں تھا۔ پھر پاکستان میں ان کو لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور ایک انفنٹری بٹالین کے کمانڈر بنائے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں بریگیڈیئر کے عہدے پر ترقی ملی۔ اور ڈپٹی کمانڈنٹ سٹاف کالج کوئٹہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ازاں بعد آپ نے کمانڈنٹ انفنٹری سکول کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۹ء میں انفنٹری بریگیڈ کی کمان سنبھالی۔ جس کے بعد جی ایچ کیو میں ڈائریکٹر انفنٹری مقرر ہوئے۔ ترقی کی منازل اسی طرح طے کرتے ہوئے میجر جنرل اور لیفٹیننٹ جنرل کے مقام تک پہنچے۔ لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک کی تمام زندگی ایک شیر کی سی زندگی تھی۔ لیکن آپ کا اس سے بڑا کارنامہ چھمب اور جوڑیاں (کشمیر) کی فتح تھا۔ وہ پہلے جنرل تھے کہ جن کو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جرأت واستقلال کا عظیم کارنامہ سر انجام دینے پر ہلال جرأت دیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی کہ بھمبر کے علاقے میں کشمیر کی سرحد پر بھارت کی جارحانہ کاروائیوں کو سبوتاژ کریں۔ چھمب کے اس محاذ پر بھارت نے اپنی مضبوط فوجی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ دشمن کی فوج بھی تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے کئی گنا طاقتور تھی۔ خیال تھا کہ فوج کے جس حصے کی کمان جنرل اختر حسین ملک کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اس تعداد میں بے حد کم اور کمزور تھا۔ اس کے باوجود جنرل اختر حسین ملک نے آگے بڑھ کر اس جرأت سے حملہ کیا کہ دشمن کے تمام مورچے تباہ ہو کر رہ گئے۔ اس کامیابی کا مرکزی کریڈٹ جنرل اختر حسین ملک کو ملا۔ کیونکہ وہ گھمسان کی لڑائی کے دوران اگلی صفوں میں جا کر مجاہدوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور پلان اس حکمت عملی سے ترتیب اور انجام دیا کہ دشمن کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

اخبار خواتین کراچی نے جنرل اختر حسین ملک کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔ ''یہ اگست کا مہینہ اور ۱۹۶۵ء کا سال ہے۔ ٹیٹوال سیکٹر میں ہندوستانی فوج کی سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دشمن کی فوجیں درہ حاجی کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ پاکستانی افواج نے اپنی مدافعت کے لئے جوابی کاروائی کا ارادہ کیا ہے کہ اب اس کے

بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہی وقت تھا، جب پاکستانی افواج کی کمان جنرل اختر حسین ملک کے سپرد ہوئی۔ چھمب کے اس معرکہ میں ہندوستانی بریگیڈ کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور اس کا خاصا جانی و مالی نقصان ہوا۔ جوڑیاں اور چھمب کی یہ شکست ہندوستان پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ یہاں ہندوستانی فوج، مسلسل کمک کے باوجود جنگی برتری حاصل نہ کر سکی۔ اور بالآخر اسے پسپا ہونا پڑا۔'' (اخبار خواتین کراچی ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۹ء ص ۲۴)

یہ امر باعث حیرت ہے کہ چھمب جوڑیاں کے معرکے سر کرنے والے اس شیر دل جرنیل کو دوران جنگ ہی محاذ سے بلا کر جی ایچ کیو میں بطور ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ بعد ازاں اسٹاف کالج کوئٹہ کا کمانڈنٹ بالآخر سیٹو (میثاق وسطیٰ) میں نمائندگی کے لئے انقرہ بھیج دیا گیا۔ ترکی میں قیام کے دوران ہی ۲۲ر اگست ۱۹۶۹ء کو آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کی میت ۲۶ ر اگست ۱۹۶۹ء کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ چکلالہ ایئرپورٹ راولپنڈی پر اتاری گئی۔ ہوائی اڈے پر میت لینے کے لئے موجود افراد میں اس وقت کے سی این سی، پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف، پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف اور دیگر اعلیٰ فوجی وسول حکام شامل تھے۔ صدر پاکستان کی نمائندگی ان کے ملٹری سیکرٹری نے کی۔ میت کے ہمراہ سیٹو کے ملٹری ڈپٹیز کے چیئرمین، چیف آف ٹرکش جنرل سٹاف کے نمائندے لیفٹیننٹ جنرل الپکایا بھی آئے۔ جنرل الپکایا نے اس موقع پر تعزیتی تقریر میں کہا ''مرحوم اعلیٰ پایہ کے جنرل تھے اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے برادر ممالک میں ان کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا تھا۔'' (روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ر اگست ۱۹۶۹ء)

اس موقع پر سی این سی جنرل عبدالحمید خاں نے کہا:

''لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک ایک عظیم سپاہی، ایک عمدہ کمانڈر، بہترین منصف اور شریف النفس انسان تھے''

(روزنامہ نوائے وقت ۲۶ر اگست ۱۹۶۹ء)

بریگیڈیئر ریٹائرڈ شوکت قادر ۱۹۶۵ء آپریشن گرینڈ سلیم کے متعلق ۴ر اکتوبر ۲۰۰۳ء کو ڈیلی ٹائمز لاہور میں لکھتے ہیں۔

''وہ ایک دلیر اور جری کمانڈر تھے جو دباؤ میں بھی گھبراتے نہیں تھے اور پُرسکون رہتے تھے اور اپنے جوانوں میں اعتماد کی جوت جگا دیتے تھے۔ نہ صرف افسروں میں بلکہ سپاہیوں میں بھی۔ جس سے لوگوں کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک اس طرح کی مہم GRANDSALAM کے لئے بہترین صلاحیتوں والے کمانڈر تھے۔ جب شروع میں اس آپریشن کی منصوبہ بندی کی گئی تو یہ بات GHQ کے علم میں تھی کہ لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک ایک حد سے زیادہ پھیلی ہوئی ڈویژن کی کمان کر رہے ہیں۔ جس پر دشمن کا بہت زیادہ دباؤ تھا۔ تاہم انھیں اس مہم جوئی GRANDSALAM کے لئے منتخب کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات وہ فرسٹ کور سے بھی بڑی افواج کی کمان کرتے رہے تھے۔ اس لئے حیرت کی بات ہے کہ انہیں ۱۲ ڈویژن کی کمان سے کیوں الگ کر دیا گیا''۔

(V) ''آپریشن GRANDSALAM یکم ستمبر کو صبح سویرے پانچ بجے شروع ہونا تھا۔ یہ منصوبہ بندی کے مطابق شروع ہوا۔ چھمب مقررہ وقت کے اندر سرنگوں ہو گیا اور پہلی روشنی کے جلد بعد صبح سات بجے کے قریب ہماری افواج نے دریا توی کو عبور کرنا شروع کر دیا۔ آگے کی جنگی کارروائی تیزی سے جاری رہی اور بعد دوپہر ایک بجے تک افواج نے اپنی نفری اور پوزیشن مستحکم کر لی۔ اور اب وہ اپنے مربوط خطوں میں داخل ہونے کے لئے تیار ہی کھڑی تھی۔ یہاں سے روشنی ختم ہونے سے کافی وقت پہلے قریباً ۳ بجے سہ پہر کو اکھنور پر حملے کا آغاز کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال اکھنور تک پہنچنا ہماری قسمت میں نہ تھا (کیونکہ جنرل اختر حسین ملک اور ان کے لشکر کو روک دیا گیا)

''ٹوٹی کہاں کمند'' بریگیڈیئر ریٹائرڈ شوکت قادر اپنے مضمون کے آخری حصے میں بتاتے ہیں کہ:

کامگار کمانڈر جنرل اختر حسین ملک کو واپس آنے کا حکم دے کر قیمتی وقت ضائع کر دیا گیا...اسی دوران اکھنور کو اضافی کمک دے کر مضبوط بنا لیا گیا اور وہ ہدف ناقابل حصول ہو گیا...شائد اگر اکھنور پر قبضہ ہو جاتا اور ہندوستان کی سپلائی لائن کاٹ دی جاتی تو ہندوستان کبھی بھی سیالکوٹ پر حملہ آور نہ ہوتا!! (۴ر اکتوبر ۲۰۰۳ء کو ڈیلی ٹائمز لاہور)

نوائے وقت میگزین میں ڈاکٹر شبیر احمد بعنوان جنرل اختر حسین ملک کی زبان پر آخری الفاظ تھے۔اکھنور، کشمیر!'' اپنے مضمون میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

۱۹۶۵ء میں جب میجر جنرل اختر حسین ملک چھمب جوڑیاں سیکٹر میں آگے بڑھتے بڑھتے اکھنور پار کرنے لگے تھے اور کشمیر پکے پھل کی طرح پاکستان کی جھولی میں آ گرنے والا تھا۔...فیلڈ مارشل ایوب خان صدر پاکستان تھے۔ان جیسے محب وطن صدر کو معلوم تک نہ ہوا اور محاذ کے کور کمانڈر نے عین موقع پر جنرل اختر حسین ملک جیسے جانباز کو ایک عیاش جنرل یحییٰ خان سے بدل دیا۔صاحبو! جیتی ہوئی بازی ہار گئی۔جنرل اختر حسین ملک کے چند سال کچھ اس طرح کا داغ لئے گزرے۔...کہتے ہیں ترکی میں جنرل اختر حسین ملک ٹریفک کے مہلک حادثے میں زخمی ہوئے تو آخری لمحات میں ان کی زبان پر دو الفاظ تھے۔''اکھنور۔کشمیر!''

(مضمون مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ ۱۲/ جون ۲۰۰۵ء ص ۱۰ کالم ۴) آخر پر سید ضمیر جعفری کے الفاظ میں اس قومی ہیرو اور سپوت پاکستان (ہلال جرأت) کو ہدیہ تبریک پیش ہے۔

چمکتی ہوئی توپ گاڑی پر جو تابوت ہے، چاند تارے کے پرچم میں لپٹا ہوا، ابد کی خاموشی میں کھویا ہوا، اپنی شفاف وردی میں سویا ہوا، اک جیالا، جری، نام آور، دلاور، بہادر سپاہی، سرد پیکر میں اب دل دھڑکتا نہیں، آگ جلتی نہیں، خون چلتا نہیں، جسم بے جان ہے، لیکن اے زندگی! یہ وہ انسان ہے! اک جیالا، جری، نام آور، دلاور، بہادر سپاہی، جو اپنے مقدس وطن، خطہ دلنشین، کشور بہترین کے لئے! اس زمیں پر بہشت بریں کے لئے! پاک پرچم تلے! وادیوں! جنگلوں! پربتوں میں لڑا! موت کے سامنے مسکراتا رہا، جنگ اور امن کے زخم کھاتا رہا، تاکہ یہ شہر گاؤں بستے رہیں، پھول کھلتے رہیں، باغ مہکے رہیں، کھیت ہنستے رہیں!

(ماہنامہ نیا زمانہ لاہور شمارہ جنوری ۲۰۰۵)

محمد ہادی مونس

دستِ باطل میں تلوار حق نہ جھک پائے زنہار
حسن ہے پھولوں کی مہکار عشق محبت کا شاہکار
منزل دور اور راہ کٹھن بارش بھی ہے موسلا دھار
اور وفا کس کو کہتے ہیں دل قربان ہے جاں نثار
روٹھو اچھے لگتے ہو مت جانا دہلیز کے پار
مفتی دیں گمراہ کردے گا وہ تو خود ہے کم دیندار
دیکھنے والوں نے دیکھا ہے اس کے جو ہیں پردہ دار
کس کو اپنا راگ سنائیں غم میں ہر کوئی بادہ خوار
ہم ہیں اس کے علم بردار جس نے زیست منور کردی
میں شیدا ہوں تو رعنا دیکھنے دو رعنائی بسیار
آؤ مونس برکت پائیں گرم ہے مہدی کا دربار

طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا

کھینچ لائے ہو عبث غم کی فراوانی کو
دل ہی کافی تھا نہ کیا دل کی پریشانی کو
زاغ دیتا ہے اذاں بوم بنا ہے واعظ
اور کیا چاہیے اس شہر کی ویرانی کو
کاش لوٹ آئے مرے دیس کی ماؤں کا سکوں
کوکھ اب دے ہے جنم صرف پشیمانی کو
جو بھی سردار بنا اس کو سرِ دار کیا
چن لیا قوم نے اب جہل نگہبانی کو
آدمی لوحِ جہاں پہ تو نہیں حرفِ غلط
کیوں مٹاتا ہے فلک پیکرِ انسانی کو
کیا خبر کب ہو نیا کُوچ نیا ہجر و فراق
زندگی باندھ رکھو بے سروسامانی کو
اب ہیں دیوار نما دَر تو زباں بند دستک
اور چوکھٹ بھی نہ ترسے کسی پیشانی کو

جنرل اختر حسین ملک۔ چند یادیں

از۔مولانا بشیر احمد رفیق صاحب سابق امام مسجد لندن

1968ء میں مجھے جناب مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کا ربوہ سے خط آیا، جس میں تحریر فرمایا تھا کہ میری خواہش ترکی، یوگوسلاویہ اور چیکوسلواکیا کے دورہ پر جانے کی ہے۔ اگر تم اپنے خرچ پر میرے ساتھ اس سفر پر جانا چاہو تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے کچھ عرصہ قبل جناب میاں صاحب سے ذکر کیا تھا کہ میرے پاس حکومت لائبیریا کی طرف سے میرے نام جاری شدہ سفری واؤچر موجود ہیں جو انہوں نے مجھے پریذیڈنٹ ٹب مین آف لائبیریا کی ہدایت پر جاری کئے تھے۔ اور جن پر میں دنیا کے چند ممالک کی سیر مفت کر سکتا تھا۔ مکرم میاں صاحب کا اشارہ ان واؤچرز کی طرف تھا۔ میں نے فوراً اس سفر پر ان کے ساتھ جانے کی حامی بھر دی۔ اس سفر کا آغاز ترکی سے ہوا۔ میں مکرم میاں صاحب کے استنبول پہنچنے سے قبل ہی استنبول پہنچ گیا اور وہاں ہوٹل میں قیام پذیر ہوا۔ دو دن بعد مکرم میاں صاحب سیدھے پاکستان سے استنبول چلے آئے۔ استنبول میں ہمارا قیام پانچ دن رہا۔ اس دوران استنبول کا شہر دیکھنے کا خوب موقعہ ملا۔ یہاں کی خوبصورت عثمانی دور کی بنی ہوئی مساجد دیکھیں۔ مشہور زمانہ ٹاپ کوپی میوزیم دیکھا، جہاں آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے نوادرات بھی دیکھے جو ایک محفوظ حصہ میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ شیشے کے بکسوں میں رکھے ہوئے تھے۔ اس کمرہ میں دعاؤں کی توفیق بھی ملی اور اسلام کی عظمت رفتہ کے دوبارہ ظہور کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ استنبول میں ایک درجن سے زائد صحابہ موجود ہیں۔ جن میں حضرت ابوایوبؓ کا مزار بھی ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ میں چھ ماہ تک حضور ﷺ حضرت ابو ایوب کے مکان میں فروکش ہوئے تھے۔ بعد میں جب استنبول کی فتح کے لئے پہلی اسلامی فوج ترکی پہنچی تو حضرت ابو ایوب انصاری اس فوج میں شامل تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ ہم ٹیکسی لے کر آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ دعائیں کی اور ساتھ ملحق مسجد ابوایوبؓ میں نوافل ادا کئے اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک عظیم صحابی کی قبر پر حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔

استنبول سے ایک دن کیلئے Izmir ازمیر گئے اور رات وہیں گزاری۔ یہاں ہمارے مخلص ترک دوست شبر سنائی صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ نہایت مخلص دوست تھے اب وفات پا چکے ہیں۔ دن بھر ہم اکٹھے رہے۔ ہمارے پروگرام میں انقرہ جانا بھی تھا جہاں جنرل اختر حسین ملک ان دنوں CENTO میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ جنرل صاحب قادیان میں طالب علمی کے دوران مکرم مرزا مبارک صاحب کے کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ میاں صاحب کے ارشاد پر خاکسار نے انہیں فون کیا۔ اور اُن سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کسی ہوٹل میں بکنگ کروا لیں۔ جنرل صاحب نے فرمایا ہوٹل جانے کی ضرورت نہیں میرا گھر حاضر ہے اور مجھے آپ لوگوں کی مہمان نوازی کر کے بہت خوشی ہوگی۔ مقررہ دن جنرل صاحب اپنی سٹاف کار میں ایئر پورٹ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور عین Tarmac پر جہاز کے دروازہ پر ہمارے منتظر تھے۔ میں نے اس سے قبل جنرل صاحب کا نام تو بہت سنا تھا لیکن کبھی دیکھا نہ تھا۔ جہاز کے دروازہ پر باہر ایک سوا چھ فٹ لمبے خوش شکل اور چاق چوبند جنرل کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ جنرل صاحب بہت تپاک سے ملے اور ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ جنرل صاحب کا درجہ ترکی میں پاکستانی سفیر کے برابر تھا۔ اگلے دن جنرل صاحب نے اپنے گھر میں ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جو مرزا مبارک احمد صاحب کے اعزاز میں تھی۔ اس موقعہ پر جنرل صاحب نے پاکستانی سفارت خانہ کے

تمام سٹاف کو اور بعض اور پاکستانی معززین کو بلایا ہوا تھا۔ جنرل صاحب نے ہمارا تعارف تمام معزز مہمانوں سے کرایا اور کھانے کی میز پر قادیان میں اپنے طالب علمی کے زمانہ کی یادیں تازہ کرنے لگے۔ دوران گفتگو جنرل صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اپنے بچپن کی زمانہ کی مصلح موعود کی یادوں کے علاوہ اپنی جرنیلی کے زمانہ میں حضور سے جس طرح فوجی معاملات میں انہیں رہنمائی ملتی رہی اس کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت مصلح موعودؓ ایک مذہبی رہنما تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے کسی اعلیٰ فوجی اکیڈمی سے تعلیم حاصل کی ہے جنرل نے بتایا کہ بعض اوقات وہ غیر از جنرلوں کو حضور کی ملاقات کے لئے لے جاتے تھے۔ تو وہ بھی متاثر ہو کر نکلتے تھے اور حضور کے فوجی معاملات میں زبردست علم پر حیرت کا اظہار کرتے تھے۔ اگلے دن میں نے جنرل صاحب سے دوران گفتگو حضرت مولانا روم ؒ کا ذکر کیا۔ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب نے بھی فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ ہم قونیہ میں حضرت مولانا رومؒ کے مزار پر حاضری دے سکیں؟ جنرل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو مولانا رومؒ سے عشق ہے اور میں نے اُن کی مثنوی کئی دفعہ پڑھی ہے میں سارا انتظام کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جنرل صاحب نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ ہمارے قونیہ جانے کے انتظامات کئے جائیں اور قونیہ میں بھی اس کی اطلاع کر دی جائے۔

اگلے دن جنرل صاحب کی کار میں ہم لوگ قونیہ جانے کو روانہ ہو گئے۔ دوسری کار میں جنرل صاحب نے دوپہر کا کھانا رکھوا دیا تھا۔ انقرہ سے قونیہ تمام راستہ جنرل صاحب ہمیں مثنوی کے اشعار سناتے رہے جو انہیں زبانی یاد تھے اور مجھے سخت حیرت اس بات سے تھی کہ ایک فوجی جنرل کو مولانا رومؒ کی شاعری اور ان کی علمی عظمت پر کتنا علم حاصل ہے۔ قونیہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس دن عام چھٹی ہے اور مزار بھی بند ہے لیکن چونکہ جنرل صاحب نے پیغام بھجوایا ہوا تھا اسلئے بطور خاص ہمارے لئے دروازے کھول دئے گئے۔ ہم نے مزار کی زیارت کی اور مولانا کے سرہانے کھڑے ہو کر لمبی پرسوز دعائیں کیں جن میں بالخصوص احمدیت کے نفوذ کے ذریعہ اسلام کی عظمت رفتہ لوٹ آنے کی دعائیں شامل تھیں۔ شام کو انقرہ سے واپسی ہوئی۔ اگلے دن جنرل صاحب ہمیں کمال اتا ترک کے مزار پر لے گئے۔ جنرل صاحب کمال اتا ترک سے بہت متاثر نظر آتے تھے۔ جنرل صاحب کی بیگم نے مہمان نوازی کی حد کر دی۔ مرحومہ موصیہ تھیں اور حضرت مصلح موعودؓ سے عشق کی حد تک محبت کرنے والی تھیں اور اس بات پر خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پوتے اور حضرت مصلح موعودؓ کے فرزندان کے مہمان ہیں۔

جنرل صاحب اس کے بعد ایک دفعہ لندن تشریف لائے تو مجھے پہلے فون پر اطلاع دی۔ مشن ہاؤس میں تشریف لائے اور خاصا وقت ہم نے اکٹھے گذارا۔ خاکسار جس بات سے بطور خاص متاثر ہوا وہ جنرل صاحب کی سادہ طبیعت تھی۔ باوجود اتنے بڑے جنرل ہونے کے ان کی طبیعت میں غرور نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ میری عمر اُن سے بہت چھوٹی تھی لیکن مجھ سے بڑے احترام سے پیش آتے تھے۔ اور جب میں انکساری کا اظہار فرماتا تو فرماتے آپ تو امام ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو اس مقام پر فائز کیا ہے۔ مکرم مبارک احمد صاحب کے سامنے اتنی خاکساری کا اظہار کرتے تھے کہ گویا ان کے خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ محترم جنرل صاحب اور ان کی اہلیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے۔ دونوں ربوہ میں مدفون ہیں۔ غالباً 1998ء میں عزیزان ڈاکٹر عبدالوحید اور امۃ النصیر نینو نے ہم دونوں میاں بیوی کو ترکی کی سیر پر اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ہم یعنی ڈاکٹر وحیدہ، مدیحہ ہمایوں اور عالیہ اس سفر پر روانہ ہوئے اور سات روز تک استنبول میں ٹھہرے۔ پرانی یادیں تازہ کیں مزارات صحابہؓ پر دعائیں کیں، ٹاپ کامی میوزیم وغیرہ دوبارہ دیکھے اور خوب سیر کی۔ اللہ تعالیٰ ان عزیزان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ ترکی کی یادوں میں مجھے اپنے پیارے دوست محمد افضل ترکی بھی یاد آجاتے ہیں۔ ان سے میرا تعارف چنیوٹ میں نصف صدی قبل طالب علمی کے زمانہ میں ہوا تھا اور جلد ہی ہماری باہمی محبت عام دوستی سے بڑھ کر اُخوت میں بدل گئی۔ افضل خاں صاحب ایک بارسوخ امیر ترک خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ربوہ میں احمدیت قبول کرنے والے پہلے نوجوان ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں ربوہ کا پھل قرار دیا تھا۔ آج کل لندن میں مستقلاً آباد ہیں۔ اور مجھ سے بہت گہرا اور پُرخلوص محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ (ماخوذ از چند خوش گوار یادیں)

جنوبی ایشیاء کے مسلمان

مجیب الرحمن شامی

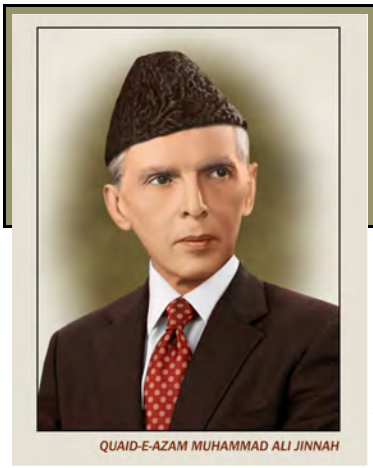
QUAID-E-AZAM MUHAMMAD ALI JINNAH

قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے بنائے ہوئے پاکستان ہی سے نہیں، اِس دُنیا سے رخصت ہوئے بھی اڑسٹھ برس بیت گئے، لیکن آج بھی اُن کی ذات پاکستانی سیاست میں سب سے بڑا اور سب سے مستند حوالہ ہے۔ آج بھی رہنمائی کے لیے اُن کی طرف دیکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُن کے نظریات کی تغلیط کرنے والے بھی انہی سے استفادہ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم کے اقوال وافعال کی من مانی تشریح وتعبیر کرنے والے کم نہ ہوں، طرح طرح کے فرقہ باز احادیث ہی نہیں قرآن کریم کی آیات سے بھی مطلب براری کرنے میں طاق ہوں، وہاں قائداعظم کے سر پر اپنی اپنی ٹوپیاں سجانے والے نوسر بازوں کا ماتم کیسے کیا جائے، اوران کی عقل ودانش پر آنسو کیوں کر بہائے جائیں؟... اُمت مسلمہ مسلسل ان لوگوں کی زد میں رہی ہے، جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کے لیے اسلام ہی کا نام استعمال کیا ہے۔ یہاں تک کہ خلفائے راشدین کے قاتل بھی کلمہ گوئی کا دعویٰ رکھتے تھے۔ کفر کے فتوے لگانے والوں اور واجب القتل قرار دینے والوں کے ہاتھوں پر بھی محراب سجے ہوئے تھے۔

آج بھی ملت اسلامیہ اغیار کے ساتھ ساتھ انہی کے ہاتھوں خوار و زبوں حال ہے، جو اسلام کے جھنڈے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اسلام ہی کے نام پر وہ بے گناہوں کو نشانہ بناتے، عورتوں اور بچوں پر ظلم ڈھاتے، بستیاں تاراج کرتے، مسجدیں اور مدرسے مسمار کرتے، اور بازاروں کو کھنڈر بناتے ہیں۔ خودکش حملہ آور جنّت ہی کی تلاش میں اپنے آپ کو بم بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے خالق اور سہولت کار اپنے رب کو راضی کرنے کے نام پر اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانے پر تلے ہیں۔ جس اللہ نے واضح طور پر اعلان کر رکھا ہے، اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب کا حصہ بنا دیا ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، اور ایسے قاتلوں کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے، اُسی اللہ کا نام لیتے ہوئے اُس ہی کے کلام کی تلاوت کرتے ہوئے خودکش بمبار تیار کیے جاتے، اور انہیں اپنے اہداف پر داغا جاتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اس سب کے پیچھے اغیار کا ہاتھ ہے، کسی حد تک یہ درست بھی ہوسکتا ہے، لیکن اس کا انکار کیسے کیا جائے کہ استعمال ہونے والے اپنے آپ کو مجتہد قرار دیتے ہیں، اور اپنی آزاد روی پر اصرار کرتے ہیں۔ اُمت مسلمہ پر زمین تنگ ہو رہی ہے، اس کے اپنے خطہ ہائے ارضی پر فساد برپا ہے، لاکھوں کیا کروڑوں بے گھر ہیں، لاکھوں قتل کیے جا چکے، اور لاکھوں اپاہج اور لاچار بن چکے۔ بیواؤں اور بچوں کی تعداد گنی نہیں جا سکتی... فرقہ باز مقدس مقامات پر بیٹھے ہوئے زہر اُگل رہے ہیں۔ سعودی عرب کے مفتیء اعظم نے ایران کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جبکہ ایرانی قیادت سعودی حق حکمرانی کو چیلنج کر رہی ہے۔ مقدس مقامات کو واگزار کرانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے... جیسے آل سعود کی حکومت دو چار دن پہلے ہی قائم ہوئی ہو، اور جیسے شیعہ مسلک ایران نے حال ہی میں اختیار کیا ہو۔ برسوں بلکہ صدیوں کی نفی کر کے اپنے آپ کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔

سعودی عرب کا یہ حق کہ وہ مقدس مقامات کا انتظام چلائے، عالم اسلام نے اجتماعی طور پر تسلیم کر رکھا ہے۔ اس علاقے میں جس کی حکومت قائم ہوئی، اس ہی نے حرمین کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اُٹھائی ہے۔ تاریخی طور پر کبھی عالم اسلام نے اجتماعی طور پر یہ فریضہ ادا نہیں کیا، اس مقصد کے لیے کوئی مشترکہ کونسل قائم نہیں کی۔ جتنی بڑی یہ حقیقت ہے، اتنی ہی بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ شیعہ اور سنی مکاتب فکر ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو جسدِ واحد کا حصہ سمجھا ہے۔ سعودی مفتی فقہ کا یہ بنیادی اصول کیسے بھول گئے کہ کفر کا فتویٰ کسی ایک انسان کے افکار اور عقائد پر تو لگایا جا سکتا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی کسی ایسے گروہ کو کیسے ہدف بنایا جا سکتا ہے،

جو توحید رسالت اور آخرت پر یقین رکھتا ہو۔ شیعہ اور سنی ایک ہی چہرے کی دو آنکھیں اور ایک ہی وجود کے دو حصّے ہیں۔ صدیوں انہوں نے ایک دوسرے سے رشتے ناتے جوڑتے، ایک دوسرے کا ذبیحہ کھاتے، ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر طواف کعبہ اور وقوفِ عرفات کیا ہے۔ برا ہو گروہی مفادات کا اور تنگ نظر سیاست و قیادت کا کہ مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات پر بیٹھنے والوں کو اپنے منصب اور اپنے مقام کا پاس نہیں رہا... چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

بات پاکستان سے شروع ہوئی تھی، لیکن پھیلتی چلی گئی۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا گلا کاٹنے والے بھی تکبیر پڑھ کر ہی یہ کار بے خیر سرانجام دے رہے ہیں۔ تو قائداعظم محمد علی جناح کے افکار و خیالات کو مسخ کرنے والوں کو کسی شمار قطار میں کیونکر رکھا جائے۔ پاکستانی دانشوروں کے ایک حصے میں فرقہ باز مولویوں کا رنگ ڈھنگ نمایاں ہے۔ قائداعظم کے مُنہ میں ایسے ایسے الفاظ ڈالتے ہیں، جن کا نہ انہوں نے کبھی تصور کیا، نہ کبھی اُن کی زبان سے ادا ہوئے۔ انہیں سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے، پاکستانی ریاست کو اس کے بنیادی نظریے سے محروم کرنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ لیکن ان کا کوئی ایک قول بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے جہاں انہوں نے سیکولرازم کو اپنی منزل قرار دیا ہو۔ یہ درست ہے کہ وہ پاپائیت کے خلاف تھے۔ مذہبی طبقے کی اجارہ داری کو اسلام کا نام قرار دینے پر تیار نہیں تھے، لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے برآمد ہو گیا کہ اسلامی اور جمہوری اقدار کا فروغ ان کی زندگی کا محور نہیں تھا؟ اڑسٹھ برس گزرنے کے بعد بھی پاکستانی قوم کیا، پورے جنوبی ایشیا کے مسلمان اپنے الگ تشخص پر سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کشمیر میں آزادی کے بلند ہوتے ہوئے نعرے، بنگلہ دیش میں مسلم قومیت کی حفاظت کے لیے سر بکف مجاہد اور ہندوستان میں اپنے حقوق کا ادراک کرتے ہوئے مسلمان قائداعظم محمد علی جناح کی سیاست پر مہر توثیق ثبت کر رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں بسنے والی قومیں ایک دوسرے کو تسلیم نہیں کریں گی، ایک دوسرے کو جینے کا حق نہیں دیں گی، تو سب کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔ اکثریت کے زعم میں مبتلا مودی جی مہاراج اور شریمتی حسینہ واجد کسی مغالطے میں نہ رہیں۔ (بشکریہ یو کے ٹائمز لندن ۱۶ ستمبر ۲۰۱۶)

ساغر صدیقی کی یاد میں

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا، یاد نہیں
میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں
آؤ، اک سجدہ کرے عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

کہا جاتا ہے کہ یہ تصویر ساغر صدیقی کی ہے۔ جی ہاں۔ ساغر صدیقی، جسکا اصلی نام محمد اختر تھا، جو انبالہ (ہندوستان) میں 1927 میں پیدا ہوا تھا، اور جس نے لاہور کی ایک گلی میں سال 1974 میں اس بے بسی سے جان دیدی کہ کسی کو پتا بھی نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ صبح جب خاکروب گلی میں آیا تو اسے ساغر صدیقی کی لاش ملی۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے ساغر صدیقی کو ہیروئین کا نشہ لگ گیا تھا۔ دوستوں اور احباب نے جب قرض دینا بند کر دیا تو اس نے اپنی نظمیں اور غزلیں بیچ کر پیسہ کمانا شروع کر دیا۔ ان پیسوں سے ہیروئین اور دوسرے نشہ آور اشیا خرید کر ساغر صدیقی عالم مدہوشی میں چلا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ساغر نے اپنی سینکڑوں نظمیں اور غزلیں جلا ڈالی کیونکہ سردیوں میں اسے اپنے تن کو ڈھانپنے کے لئے مناسب کپڑے میسر نہیں تھے۔ اس عظیم شاعر نے پاکستانی اردو فلموں کے لیے سینکڑوں مقبول گیت لکھے، جو آج بھی بہت مشہور ہیں۔ اس دیوانے شاعر نے کہا تھا:

یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
ان میں کچھ صاحبِ اسرار نظر آتے ہیں
تیری محفل کا بھرم رکھتے ہیں سوجاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیدار نظر آتے ہیں
دور تک کوئی ستارہ، نہ کوئی جگنو ہے
مرگِ امید کے آثار نظر آتے ہیں
کل جنہیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں
حشر میں کون گواہی میری دے گا ساغر
سب تمہارے ہی طرفدار نظر آتے ہیں

(بشکریہ http://blogistan.urdusource.com)

نوبیل انعام یافتہ احمد حسن ذویل کی وفات

زکریا ورک کینیڈا

سائنس میں پہلے عرب نوبیل سائنسدان اور عالم اسلام کے سائنس میں دوسرے نوبیل انعام یافتہ مصر میں پیدا ہونے والے امریکی سائنسدان احمد حسن ذویل2ر اگست 2016ء کو پا سا دینا کیلیفورنیا میں70 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کو 1999ء میں کیمسٹری میں نوبیل انعام سے نوازا گیا تھا۔جس روز آپ کو علی الصبح نوبیل کمیٹی نے فون کے ذریعہ انعام کی اطلاع دی وہ زکام کے باعث علیل تھے۔ان کی فزیشن بیگم ان کا علاج ادویاء سے کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر ذویل نے مسکراتے ہوئے کہا کہ جب ٹیلیفون کال آئی اس کے آتے ہی فوراً زکام کی وائرس ہلاک ہوگئی۔اس لئے ہر وہ شخص جو فلو سے صاحب فراش ہو اس کیلئے میں نوبیل انعام تجویز کرتا ہوں۔راقم الحروف نے آپ کو نوبیل انعام ملنے کی مبارکباد خط کے ذریعہ دی تھی جس کا جواب آپ نے دیا اور ساتھ میں 8x11 سائز کی فوٹو بھجوائی تھی۔آپ کی زندگی پر میرا مضمون 2003 میں شائع ہونیوالی کتاب ''عبدالسلام مسلمانوں کا نیوٹن''میں شائع ہوا تھا۔2007ء میں آٹوا میں آپ کے اعزاز میں پارلیمنٹ ہاؤس میں کینیڈین عرب سائنسدانوں نے تقریب منعقد کی تھی جس میں عاجز بھی شامل ہوا تھا مگر کسی نامعلوم وجہ سے آپ شریک محفل نہ ہو سکے۔ احمد حسن کی زندگی کا زیادہ حصہ امریکہ میں گزرا جہاں وہ CALTECH میں لینوس پالنگ Linus Pauling پروفیسر آف کیمسٹری تھے۔ان کو نوبیل انعام ان کے فلیش لائٹ یا کیمرہ جس میں الٹرا شارٹ لیزر پلسز استعمال ہوتی ہیں دریافت کرنے پر دیا گیا تھا۔ اس کیمرہ سے ہونے والے کیمیائی ردعملوں کو یا ایٹم کی موشن کو مالیکیول کے اندر فیمٹو سیکنڈ (millionths of a billionth of a second) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تہلکہ خیز دریافت سے قبل کیمیائی ردعملوں (جیسے نباتات سورج کی روشنی کو انرجی میں کیسے تبدیل کرتے ہیں) میں کیا ہوتا تھا، اور کس ترتیب میں یہ عمل ہوتے ، ایک معمہ تھا۔ یوں آپ کو فیمٹو کیمسٹری کا بانی مبانی قرار دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ذویل کی پیدائش 26 فروری 1946ء کو دمان ہور (مصر) میں ہوئی تھی۔ انہوں نے بی ایس سی اور ایم ایس سی اسکندریہ یونیورسٹی سے کیا، اور ڈاکٹریٹ یونیورسٹی آف پیل سلوے نیا (فلا ڈلفیا) سے کیا۔اس کے بعد آپ نے پوسٹ ڈاکٹرل ریسرچ یونیورسٹی آ ف کیلی فورنیا، برکلے سے مکمل کی۔ 1976 میں آپ کو کال ٹیک میں پروفیسر متعین کیا گیا اور 1982ء میں آپ امریکی شہری بن گئے۔

سیاسی زندگی

امریکی صدر باراک اوبامانے آپ کو پریزی ڈینشل کونسل آن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کیلئے نامزد کیا۔ یہ امریکہ کے نامور سائنسدانوں اور انجینئرز کا ایڈوائزی گروپ ہے جو صدر اور نائب صدر کو سائنس ٹیکنالوجی اور انوویشن کے امور پر مشورے دیتا ہے۔جون 2009ء میں صدر اوباما نے قاہرہ میں تقریر کرتے ہوئے اسلامی دنیا کیلئے سائنس اینوائے پروگرام پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر ذویل کو جنوری2010ء میں دو دیگر سائنسدانوں کے ہمراہ فرسٹ سائنس اینوائے بنا دیا گیا۔2013ء میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے آپ کو یو،این سائینٹفک ایڈوائزی بورڈ کا ممبر بنایا۔مصر میں جب 2011ء میں سیاسی فسادات ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آیا صدر کے انتخاب میں حصہ لیں گے؟۔آپ نے جواب دیا میں ایک بے باک انسان ہوں۔میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔جیسا کہ میں اس سے پہلے کئی بار کہہ چکا ہوں میں مصر کی خدمت سائنس کی فیلڈ میں کرنیکا خواہش مند ہوں، اور بطور سائنسدان ہی مرنا چاہتا ہوں۔

فیمٹو کمسٹری کیا ہے؟۔ ذویل نے کیمیائی ردعمل کا مشاہدہ

کرنے کیلئے جس تکنیک کو ایجاد کیا ہے اس کو فیمٹو سیکنڈ سپیکٹر وسکوپی Femto second spectroscopy کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے کیمیکل ری ایکشن جس ٹائم سکیل پر نمودار ہوتے ان کا معائنہ الٹرا شارٹ لیزر فلیشز کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جو کیمکل ری ایکشن کو ریئل ٹائم میں پروب کرتے ہیں۔ اس تکنیک سے پتہ چلتا کہ کیمکل بانڈز کس طرح ٹوٹتے، اور کس طرح جنم لیتے ہیں۔ اس تکنیک کو دنیا کا تیز ترین کیمرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس عمل میں لیزر فلیشز بہت ہی کم مدت کی استعمال کی جاتی ہیں۔ قلیل عرصہ اور کیمیائی ردعمل میں ٹائم سکیل ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک فیمٹو سیکنڈ کو یوں لکھا جاتا ہے۔ 0.0000000000000001

اس کا موازنہ 32 ملین سالوں کا ایک سیکنڈ سے کیا جا سکتا ہے۔ کیمسٹری کی اس شاخ کا نام فیمٹو کیمسٹری ہے۔ پروفیسر زویل نے فیمٹو سیکنڈ کو یوں بیان کیا تھا: فمٹو سیکنڈ کا موازنہ 32 ملین سالوں میں ایک سیکنڈ سے کیا جا سکتا۔ یہ ایسے ہے جیسے 32 ملین سالوں والی فلم کو ایک سیکنڈ میں دیکھا جائے۔

انعامات اور ایوارڈ

1989ء میں آپ کو کنگ فیصل انٹرنیشنل پرائز دیا گیا۔ 1993ء میں وولف پرائز ان کیمسٹری، 1997ء میں ٹال مین Tolman ایوارڈ، اسی سال رابرٹ اے ویلش Welsh، 2009. Robert A ء میں Othmer Gold Medal، 2011ء میں پریسٹلی میڈل Priestly Medal امیریکن کیمکل سوسائٹی کی طرف سے دیا گیا۔ 2011ء میں ڈیوی میڈل رائیل سوسائٹی برطانیہ نے دیا۔ آپ پہلے مصری اور عرب تھے جس کو 1999ء میں سائنس میں نوبیل انعام دیا گیا۔ اسی سال آپ کو مصر کا سب سے بڑا انعام گرینڈ کالر آف دی نائیل دیا گیا۔ اکتوبر 2006ء میں آپ کو البرٹ آئین سٹائین ورلڈ ایوارڈ آف سائنس دیا گیا۔ آپ رائیل سوسائٹی کے فارن ممبر تھے۔ اس کے علاوہ سویڈن، برطانیہ، سپین، اردن، سکاٹ لینڈ، امریکہ کی یونیورسٹیوں سے آپ کو اعزازی ڈاکٹریٹ دی گئیں۔ زویل سٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، (مدینہ زویل للعلوم والتکنولوجیا) کی 2000ء میں گیزہ (مصر) میں بنیاد رکھی گئی تھی۔

وفات۔ آپ کی وفات 2 اگست 2016ء کو سرطان کے عارضہ سے ہوئی۔ قاہرہ کی الموشیر طنطاوی مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی، جس میں صدر مملکت عبدالفتح السیسی نے، اور دیگر عمائدین ملک نے شرکت کی۔ نماز جنازہ علی جمعہ، سابق مفتی اعظم مصر نے پڑھائی۔

کتابیں

آپ کی خودنوشت سوانح عمری کا نام Voyage Through Time ہے جو ورلڈ سائنٹفک سنگاپور سے دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ کیمسٹری پر آپ کی گیارہ کتابیں ہیں۔ عربی میں آپ کی سوانح اور اسلام اور سائنس میں تعلق پر کتاب عصر العلم Age of Science ہے۔

دو نوبیل لاریٹ میں مماثلت

ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل انعام 1979ء میں ملا، اس کے بیس سال بعد 1999ء میں ڈاکٹر زویل کو یہ انعام ملا۔ ڈاکٹر سلام کی پیدائش 29 جنوری 1926ء کو ہوئی جبکہ زویل کی پیدائش 26 فروری 1946ء کو ہوئی۔ سلام نے ڈاکٹریٹ کیمبرج سے کیا جبکہ زویل نے یونیورسٹی آف پین سلوانیا سے کیا۔ ڈاکٹر سلام کے چھ بچے جبکہ احمد زویل کے چار بچے (دو بیٹیاں ڈاکٹر ماہا، امانی، بیٹے نبیل اور ہانی) ہیں۔ سلام کیلئے حکومت پاکستان نے 1998ء میں ڈاک ٹکٹ جاری کیا جبکہ زویل کیلئے گھانا اور مصر نے ٹکٹ جاری کیا۔ دونوں نے ستر سال کی عمر پائی۔ سلام نے اٹلی میں سائنس کا ادارہ ICTP قائم کیا جس نے ٹریسٹے شہر کو سائنس سٹی میں تبدیل کر دیا ہے۔ زویل کے نام پر مصر میں سائنس سٹی تعمیر ہوا ہے۔ دونوں نے ترک وطن کر کے کامیاب زندگی بنائی۔

zakaria.virk@gmail.com

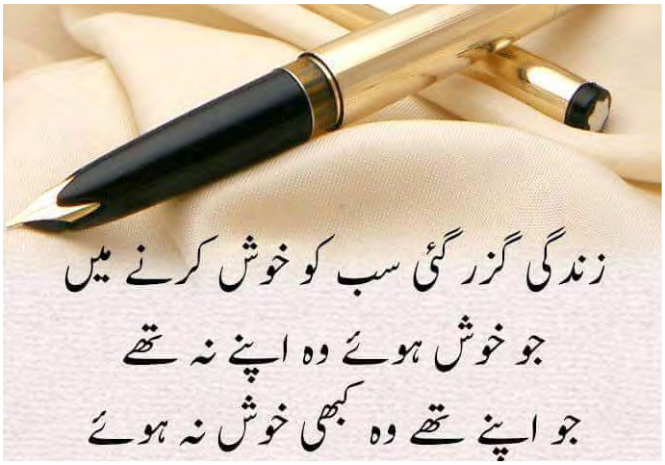

ابن سینا نامور طبیب، سائنسدان، فلسفی، ریاضی دان، ماہر فلکیات

اے آر راجپوت

شیخ الرئیس بوعلی الحسین بن عبداللہ ابن سینا اگست 980ء (صفر ھ) کو بخارا کے قریب ایک گاؤں افشنہ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد بلخ کے رہنے والے تھے جو نوح بن منصور کے زمانہ میں عازم بخارا ہوئے۔نوح نے انہیں ایک گاؤں خرشین کا حاکم بنادیا۔انہوں نے خرشین کے ایک قریبی گاؤں افشنہ میں شادی کی۔وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔اسی جگہ ابن سینا پیدا ہوئے۔پھر ان کا خاندان بخارا چلا گیا۔ابن سینا ابھی 6 برس کے تھے کہ بخارا پہنچے اور تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔اسی اثناء میں ان کے والد اور بھائی نے اسماعیلی فرقہ میں شمولیت اختیار کر لی۔10 برس کی عمر میں ابن سینا نے قرآن مجید حفظ کرلیا۔ان کے والد نے انہیں بھی اسماعیلی فرقہ میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ان کے والد اور بھائی اکثر اس فرقہ کے متعلق آپس میں بحث کرتے تو نفس، عقل، فلسفہ، ہندسہ اور حساب الہند کے الفاظ استعمال کرتے۔جنہیں سن کر ابن سینا کو ان علوم کے جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔چنانچہ آپ نے ابتداء میں ایک سبزی فروش سے ہندسہ کا علم حاصل کیا اور پھر منطق، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔آپ نے منطق کی کتاب ''ایساغوجی'' بھی پڑھی اور پھر اسی موضوع پر استاد سے بازی لے گئے۔اس کے بعد آپ نے اقلیدس کا مطالعہ کیا اور بعدہ الہیات اور طبیعات میں مہارت حاصل کرلی۔طب کی باری آئی تو آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس میں بھی کمال حاصل کرلیا۔یہاں تک کہ بڑے بڑے طبیب ان کا لوہا ماننے لگے۔16 برس کی عمر میں ابن سینا نے بخارا کے حکمران نوح بن منصور کا علاج بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔جس کے عوض انہیں کتب خانہ شاہی کا مہتمم مقرر کیا گیا۔آپ نے ایک ہی برس میں سارا کتب خانہ چھان مارا۔براہ راست مشاہدوں اور تجربات کی مدد سے وہ اپنی معلومات کی تکمیل بھی کرتے رہے۔اگلے برس حاکم بخارا فوت ہوگیا اور ابن سینا کو اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑا لیکن اس اثناء میں وہ تحصیل علم کی تکمیل کر چکے تھے اور اب تصنیف و تالیف کے میدانوں میں کودنے والے تھے۔21 برس کی عمر میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔آپ نے ابوحسین العروضی کو ایک کتاب لکھ کر دی جو ''کتاب المجموع'' کہلاتی ہے۔والد کی وفات کے بعد آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور جگہ جگہ ملازمتیں کرتے رہے۔اس سلسلہ میں آپ نے کانج، جرجان، رے اور ہمدان وغیرہ کا سفر کیا۔اسی اثناء میں آپ نے ''رے'' میں مجدالدولہ اور شمس الدولہ کا علاج کیا۔شمس الدولہ نے انہیں اپنے خاص مصاحبوں میں شامل کرلیا۔جب شمس الدولہ کو شکست ہوئی تو وہ ہمدان کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ابن سینا بھی شمس الدولہ کے ہمراہ تھے۔وہاں ابن سینا کو وزیر بنادیا گیا مگر فوج کی بدگمانی کے باعث ابن سینا گرفتار ہوا اور اس کا سارا مال ومتاع لوٹ لیا گیا۔امیر نے انہیں ملک بدر کردیا۔ابن سینا وہیں چھپے رہے۔اسی اثناء میں شمس الدولہ پر قولنج کا حملہ ہوا تو ابن سینا نے روپوشی سے نکل کر اس کا علاج کیا۔چنانچہ شمس الدولہ نے انہیں دوبارہ اپنا وزیر بنالیا۔شمس الدولہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نے ابن سینا کو وزارت سے سبکدوش کردیا اور پھر انہیں ایک قلعہ میں قید کردیا۔4 ماہ محبوس رہنے کے بعد ابن سینا فرار ہوکر اصفہان پہنچ گئے۔1001ء میں ابن سینا خوارزم پہنچے اور علی بن مامون کے دربار میں داخل ہوئے۔یہاں آپ کی ملاقات اس دور کے دیگر عظیم علماء وفضلاء سے ہوئی۔البیرونی، العراقی اور ابوالخیر کے ساتھ مباحثے ہوتے رہے۔یہاں کچھ دن گزارنے کے بعد عراق کا رخ کیا۔یہاں آپ کے عقیدے کی مخالفت میں ہوئی تو عراق کو بھی خیر باد کہا اور 1009ء میں جرجان کا رخ کیا۔ان تمام جگہوں پر وہ کبھی بھی چین سے نہ بیٹھ سکے۔1015ء میں آپ نے ''رے'' کا رخ کیا۔اس راستے کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے آپ کا خیر مقدم

کیا۔ ۱۰۲۲ء میں اصفہان کے امیر اور ایک عالم فاضل شخص امیر علاء الدولہ ابوجعفر کے یہاں آپ کو کسی قدر سکون ملا۔ علاء الدولہ اکثر آپ کو اپنے ساتھ رکھتا۔ حتیٰ کہ جب وہ ابن فارس سے مقابلہ کیلئے گیا تو اس وقت بھی ابن سینا اس کے ساتھ تھے۔ اس طویل سفر کے دوران ابن سینا بیمار پڑ گئے اور اسی حالت میں اصفہان پہنچے جہاں آپ کی حالت قدرے بہتر ہوگئی۔ یہاں سے پھر وہ علاء الدولہ کے ہمراہ ہمدان روانہ ہوئے۔ اسی عرصہ میں مرض قولنج لاحق ہوگیا۔ عمر کے آخری 14 برس آپ نے علاؤ الدولہ کے یہاں گزارے۔ اگرچہ اس میں بھی وہ زیادہ عرصہ بیمار ہی رہے اور بالآخر 21 جون 1037ء (4 رمضان المبارک) کو ہمدان میں مرض قولنج کے ہاتھوں فوت ہوگئے۔ آپ کو ہمدان میں ہی دفن کیا گیا۔

ابن سینا نے تقریباً 500 کتابیں لکھیں جن میں دو تو بہت بڑی ہیں۔ ''الشفا'' علم طب پر ہے اور 18 جلدوں میں جلدوں میں ہے۔ ''القانون'' 14 جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب یورپ کی یونیورسٹیوں میں 15 ویں صدی عیسوی تک نصاب میں داخل رہی۔ مغرب میں ابن سینا کو اوی سینا (Avicena) کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور مشہور کتاب ''الادویہ'' طب کی انجیل بنی رہی۔ ابن سینا کو دنیائے طب میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ آپ کی طبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ''شیخ الرئیس'' کہا جاتا ہے۔ آپ کی کتاب ''القانون'' انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ میں ابن سینا نے درد کی 15 اقسام اور قریبا ہر بیماری کا علاج تجویز کیا ہے۔ (شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا)

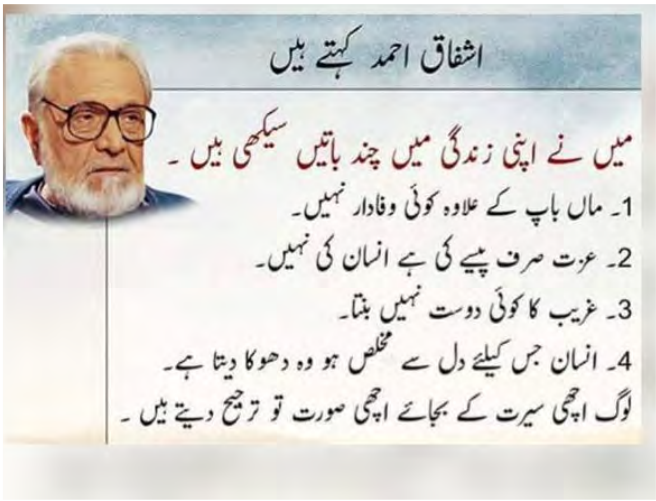

سپینوزا۔ سترہویں صدی کا باغی فلاسفر

آج سترہویں صدی کے ڈچ فلاسفر باروچ سپینوزا کے بارے میں ایک کتاب پڑھنے کا موقع ملا۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسانی فکر کو قید کرنا آسان نہیں ہے۔ تمام مخالفت کے باوجود انسان اپنی سوچ کو آزادانہ طور پر سامنے لانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اگر اسکے راستے میں مشکلات پیدا کی جائے تو پھر وہ خفیہ طریقے سے اپنے خیالات سامنے لاتا ہے۔

سپینوزا نے اپنی سب سے اہم کتاب "اخلاقیات"/ ETHICS لکھنے کے بعد اپنی موت کا انتظار کیا تا کہ اسکی غیر موجودگی میں یہ کتاب شائع کیا جا سکے۔ انہوں نے اپنی بہت ساری کتابچوں پر اپنا نام بھی نہیں لکھا کیونکہ اس وقت کے یہودی اور عیسائی مذہبی رہنما انکے خیالات کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ سپینوزا ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور ابتدائی تعلیم بھی یہودی علما سے حاصل کی لیکن بعد میں باغیانہ خیالات کے مالک اس نوجوان کو مذہب سے خارج کر دیا گیا۔ مذہب سے خروج کی بنیادی وجہ سپینوزا کے باغیانہ خیالات تھے۔ انہوں نے انجیل اور دیگر مقدس صحیفوں میں درج واقعات کو من وعن تسلیم کرنے کی بجائے ان پر تحقیق کرنے اور زمانہ نزول کے سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی حقائق کے حوالے سے انہیں سمجھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ انجیل الہامی کتاب نہیں بلکہ اسے انسانوں نے تحریر کی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں متعدد تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں۔ سپینوزا کا یہ بھی ماننا تھا کہ روح دائمی نہیں، بلکہ جسم کے ساتھ روح کی بھی موت واقع ہوجاتی ہے۔ یعنی آسان الفاظ میں انہوں نے حیات بعد الموت کی نفی کی۔ اُنکا ماننا تھا کہ انسانوں کو اخلاقی اصول مرتب کرنے کے لئے مذہبی ہدایات کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تمام اخلاقی اصول اور سماجی ضوابط ضرورت کے تحت سماجی پروسیس کے ذریعے وجود میں آتے ہیں اور منطقی سوچ رکھنے والے افراد سماج کی بہتری کے لئے مذہبی ہدایات کی عدم موجودگی میں بھی بہترین فیصلے کر سکتے ہیں۔ انہوں نے فلسفلے کو جیومیٹری کے اصولوں کے مطابق بیان کرنے کا نظریہ دیا، تا کہ حقائق کو منطقی انداز میں سمجھا یا جا سکے۔ انکی اہم ترین کتاب "اخلاقیات" میں فلسفیانہ فکر کو ریاضی کے اصولوں کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ ڈیسکارٹس کے مختلف نظریات سے اختلاف رکھنے والا یہ نوجوان فلاسفر مذہبی اور سیاسی قوتوں کے زیر عتاب رہنے کے بعد 1677 صدی عیسوی میں 45 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ (بشکریہ http://blogistan.urdusource.com)

دنیا کے چند مشہور تاریخی قلعے

عاصی صحرائی

الحمراء۔سپین۔سپین میں مسلمانوں کے 700 سالہ اقتدار کی عظمت کا نشان یہ قلعہ محل غرناطہ میں واقع ہے۔اس کی تعمیر 889ء میں شروع ہوئی اور 13 ویں صدی ء کے وسط میں ایک مرتبہ پھر اسے بنایا گیا۔میں اسے شاہی محل کا درجہ دے دیا گیا۔یہاں تک کہ 1492ء میں سقوط غرناطہ کے بعد بھی اسے نئی عیسائی سلطنت میں شاہ فرڈیننڈ اور ایزابیلا کے شاہی محل کا درجہ حاصل رہا۔آج یہ مقام عالمی ثقافتی ورثہ ہے اور سپین میں سیاحوں کیلئے مقبول ترین جگہوں میں سے ایک ہے۔

لال قلعہ دہلی

دوصدیوں تک مغل سلطنت کی عظمت کا نشان رہنے والا لال قلعہ آج بھی اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ کھڑا ہے۔بادشاہوں اور اہم شخصیات کی رہائش گاہ ہونے کے ساتھ یہ مغل حکومت کا مرکز بھی تھا۔1648ء میں اسے پانچویں مغل بادشاہ شاہجہاں نے تعمیر کروایا۔1857ء میں جنگ آزادی کے ساتھ ہی مغل اقتدار کا سورج بھی غروب ہوا اور لال قلعہ بھی قابض انگریزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔آج یہ دہلی شہر کے اہم ترین سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے اور اسے اقوام متحدہ کی جانب سے عالمی ثقافتی ورثہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

ارگ بم

ایران ، ایران کے صوبہ کرمان کا کھجوروں کیلئے مشہور شہر ارگ بم کچی اینٹوں سے بنے دنیا کے سب سے بڑے قلعے کا بھی مسکن ہے۔اس کی تاریخ چار صدی قبل مسیح تک سے جاملتی ہے،لیکن ساتویں سے گیارہویں صدی کا اسلامی عہد اس کا عروج کا زمانہ تھا۔جب بم اہم تجارتی رہگزر کے درمیان تھا اور رشمی وسوتی ملبوسات کی وجہ سے مشہور تھا۔دسمبر 2003ء میں ایک زلزلے کی وجہ سے نہ صرف بم شہر بلکہ قلعے کا بیشتر حصہ بھی مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔یہ بھی عالمی ثقافتی ورثے کا حصہ ہے۔

قلعہ قاہرہ

مصر قلعہ قاہرہ یا قلعہ صلاح الدین مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے وسط میں واقع ہے۔اپنی تازہ ہواؤں اور شاندار نظاروں کی وجہ سے مقبول یہ قلعہ اب ایک تاریخی مقام ہے،جہاں کی مساجد وعجائب گھر دنیا بھر میں مقبول ہیں۔اس قلعے کی تعمیر کا حکم 1176ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیا تھا تاکہ قاہرہ کو صلیبی حملہ آوروں سے بچا سکیں۔یہ ایک تعمیراتی شاہکار تھا۔قلعے کے اندر پانی کی فراہمی کے لئے 80 میٹر یعنی 280 فٹ گہرا کنواں کھودا گیا تھا.جسے چاہ یوسف کہتے ہیں اور یہ آج بھی موجود ہے۔یہاں الناصر محمد قلاوون مسجد کے علاوہ چار شاندار عجائب گھر بھی واقع ہیں۔

کرملین۔روس۔ماسکو کرمین ، جسے کرمین بھی کہتے ہیں ،روس کے دارالحکومت ماسکو کے قلب میں واقع ایک قلعہ بند کمپلیکس ہے۔اس کے اندر پانچ محلات اور چار گرجے بھی ہیں۔یہ روس کے صدر کی سرکاری رہائش گاہ بھی ہے،یعنی اسے آپ روس کا وائٹ ہاؤس کہہ سکتے ہیں۔اس کی تعمیر کا آغاز 1482ء میں ہوا اور یہ 13 سال میں مکمل ہوا اور یہ روس کے زاروں کی قیام گاہ بنا۔

قلعہ لاہور

قلعہ لاہور یا شاہی قلعہ پاکستان کے شہر لاہور میں واقع ہے۔اسے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے 1556ء میں بنوایا تھا اور بعد کے حکمرانوں نے اس میں بہت قیمتی اور خوبصورت اضافے بھی کئے، یہاں تک کہ مغل سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور لاہور سکھوں اور پھر انگریزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔اس کے دو دروازے ہیں، ایک اورنگزیب عالمگیر کے نام پر 'عالمگیری دروازہ' کہلاتا ہے، جو بادشاہی مسجد کی جانب کھلتا ہے جبکہ دوسرا مسیتی دروازہ کہلاتا ہے ، جو قدیم شہر کے اندر کھلتا تھا۔آج کل عالمگیری دروازہ مرکزی داخلے کیلئے استعمال ہوتا ہے جبکہ مسیتی دروازہ مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے۔اس قلعے کے اندر مغل طرز تعمیر کے کئی شاہکار موجود ہیں جیسا کہ شیش محل، نولکھا اور موتی مسجد۔1981ء میں اقوام متحدہ کی ثقافتی ادارے یونیسکو نے اسے عالمی ثقافتی ورثہ قرار دیئے گئے مقامات میں شامل کیا۔

ایڈنبرا کاسل

سکاٹ لینڈ، سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا کی اہم ترین عمارت یہ تاریخی قلعہ بھی ہے۔موجودہ حالت میں قلعے کی تعمیر 12ویں صدی میں ڈیوڈ اول کے دور میں شروع ہوئی۔ پندرھویں صدی سے اس کی اہمیت میں کمی ہونا شروع ہوئی اور 17ویں صدی سے یہ محض فوجی چھاؤنی کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ سکاٹ لینڈ کی انگلینڈ سے آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں اس قلعے کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔تاریخ میں اس کا کل 26 مرتبہ محاصرہ کیا گیا، یعنی کہ ان قلعوں میں شامل ہے، جن پر سب سے زیادہ حملے کئے گئے۔آج یہ سکاٹ لینڈ میں سب سے زیادہ دیکھے جانے والے مقامات میں شمار ہوتا ہے۔

مونٹ سینٹ مائیکل فرانس

یعنی سینٹ مائیکل کا ٹیلہ ،فرانس کے نارمنڈی ساحل کے ساتھ واقع ایک جگہ ہے، جہاں آٹھویں صدی سے ایک خانقاہ بھی واقع ہے اور قلعہ بھی۔ یہ قریبی ساحل سے 600 میٹر کے فاصلے پر ایک ننھے جزیرے پر واقع ہے اور ماضی میں جب زائرین اس خانقاہ تک جانا چاہتے تھے تو انہیں سمندر اترنے کے دنوں کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔لوئس یازدہم کے دور میں یہ قلعہ ایک جیل میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ عالمی ثقافتی ورثے کا حصہ ہے اور سالانہ 30 لاکھ سے زیادہ سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔

شلوس نوشواسٹین

جرمنی۔نویں صدی کے قائم یہ خوبصورت قلعہ باویریا کے بادشاہ لڈووگ ثانی نے شکست کے بعد اپنے لئے بنوایا تھا تاکہ یہاں محفوظ رہ سکیں اور ان کی موت کے فوراً بعد اسے عوام کیلئے کھول دیا گیا تھا۔

قلعہ روہتاس

پاکستان پاکستان کے شہر جہلم کے قریب واقع ایک تاریخی قلعہ جسے شیر شاہ سوری نے تعمیر کیا تھا۔16ویں صدی میں بنایا گیا یہ شاندار فوجی قلعہ 4 کلومیٹر پر محیط ہے۔اس کی تعمیر میں 4 سال کا عرصہ لگا یہاں تک کہ 1555ء میں یہ مغل بادشاہ ہمایوں کے ہاتھ لگ گیا، جس نے شیر شاہ سوری کے بیٹوں سے اپنی سلطنت واپس چھین لی۔اس قلعے کے 12 دروازے ہیں۔قلعہ روہتاس کو برصغیر میں ابتدائی مسلم فوجی تعمیرات کی عظیم مثال سمجھا جاتا ہے۔1997ء میں اسے عالمی ثقافتی ورثے میں شامل کیا گیا۔

(روزنامہ دنیا 2 مئی 2016ء)

انشائیہ:

ڈاکٹر طارق احمد مرزا
آسٹریلیا

آن لائن

ایم اے اسلامیات کا امتحان ہو رہا تھا۔ایک طالبعلم متشرح نورانی صورت، پرچہ میں درج سوالات کے جوابات اپنی گود میں رکھی ایک کتاب سے دیکھ دیکھ کر لکھ رہا تھا کہ ممتحن کی نظر پڑ گئی۔غصے سے کانپتے ہوئے چلا کر کہا شرم نہیں آتی اتنی ڈھٹائی سے اس طرح کھلے بندوں نقل کر رہے ہو اور وہ بھی اسلامیات کے پرچہ میں۔طالبعلم نے اطمینان سے کہا ''اور نہیں تو کیا۔تم کیا چاہتے ہو میں معاذ اللہ آیات قرآنی اور احادیث کا غلط سلط ترجمہ اور خودساختہ تشریحات لکھ کر خدا کے غضب کو مول لوں۔چلو ہٹو میرا ٹائم ضائع مت کرو! پہلے ہی جواب تلاش کرتے کرتے کافی ٹائم گزر چکا ہے''۔ان کی یہ سادگی (اور پرکاری) دیکھ کر ممتحن صاحب بولے ''اگر تمہیں وقت کے ضیاع اور آیات قرآنی کے تقدس کا اتنا ہی خیال ہے تو بہتر ہے کہ ایم اے بلکہ پی ایچ ڈی اسلامیات کی آئن لائن کوئی ڈگری لے لو''۔اس پر وہ حضرت چمک کر بولے'' آپ کیا مجھے لائن سے اترا ہوا سمجھتے ہیں جو آن لائن ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں؟''۔''ارے نہیں بھئی میں تو اس آن لائن کا کہہ رہا ہوں جو انٹرنیٹ کی لائن ہوتی ہے۔''ممتحن نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''اس سے آپ آیات مقدسہ کی بے حرمتی کے بھی مرتکب نہیں ہوں گے اور وقت کی بھی بچت ہو جائے گی، دوسرے یہ کہ اس آن لائن ڈگری کی بدولت آپ بھی ایک ''عالم آن لائن'' بن سکیں گے !''۔''اوہو اچھا اچھا، اب میں سمجھا'' طالبعلم نے کہا۔''آپ کے مشورہ کا بہت شکریہ۔امتحان کو گولی ماریئے، میں آج ہی آن لائن ڈگری کے لئے اپلائی کرتا ہوں''۔یہ کہہ کر وہ صاحب اپنی کتابوں اور کاغذوں وغیرہ کا پلندہ سمیٹ کر یہ جا وہ جا اور ممتحن نے ایک لمبی سانس سکھ کی بھری۔

یہ واقعہ سچ ہو یا جھوٹ، (قارئین کی طرح ہمیں بھی جھوٹ ہی لگتا ہے)، اصل بات یہی ہے کہ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات اور الفاظ کے معانی وغیرہ بھی بدلے جاتے ہیں۔اب اس لفظ ''لائن'' کو ہی لے لیں۔ہمارے دوست الٰہی بخش نے ہماری توجہ اس طرف دلائی کہ کسی زمانہ میں کپڑے دھو کر سکھانے کے لئے انگریزی میں ''آن لائن'' ڈالے جاتے تھے۔کسی گوری کی سکرٹ ہو یا کسی دیسی مٹیار کی ''بسنتی چنریا'' انور مسعود کی بنیان کی طرح آن لائن یعنی رسی پہ لٹکی دیکھ کر ع' دُھپ نالوں گوری لگے رسی اوتے ڈولدی'' گنگنانے کو جی چاہا کرتا تھا۔آجکل سکرٹ اور چنری عنقا ہو چکی ہیں، سکرٹ کی جگہ ''بی کنی'' Bikini اور برقعے کی جگہ ''برقینی'' Burkini نے لے لی ہے جو ساحل سمندر پر پہن کر دھوپ میں لیٹ کر سکھائی جاتی ہے۔گو بعض یورپین ممالک کی پولیس برقینی کو اتروا کر اسے خشک کرنے پر اصرار کرتی ہے غالباً اس لئے کہ پہننے والی کو کہیں نمونیہ نہ ہو جائے۔کیونکہ گیلی اور تنگ برقینی جسم سے چپک کر ایک ایک انگ تو لوگوں کو دکھا ہی رہی ہوتی ہے پھر نام نہاد پردہ کا تکلف کر کے کوئی عفیفہ نمونیہ کا شکار کیوں ہو!۔بہرحال آج کل اگر باپردہ اور باحیا لباس دیکھنا ہو تو صحنوں میں بندھی رسی والی ''آن لائن'' نہیں بلکہ انٹرنیٹ پہ 'آن لائن' ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ الٰہی بخش کی مندرجہ بالا باتیں سن کر ہم بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کہتا تو ٹھیک ہی ہے۔ہمارے زمانے میں لیلیٰ اور مجنوں کوٹھے پہ چڑھ کر یا گلی کے نکر پہ کھڑا ہو کر آپس میں ''لائن'' ملایا کرتے تھے اب یہ کام بھی انٹرنیٹ پہ آن لائن ہو جاتا ہے۔اور تو اور اس مضمون کے عنوان کو ہی دیکھ لیں۔گو یہ مضمون ایڈیٹر صاحب کو آن لائن ہی بھیجا گیا ہے اور شائع بھی آن لائن ہی ہو رہا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ یہ مضمون سچ مچ آن لائن یعنی ''لائن'' پر، یعنی کہ لائن اور اس کی اقسام کے بارہ میں لکھا گیا ہے۔

ایک لائن وہ بھی ہوتی ہے جس پر بندے کو پکڑ کر حاضر کر دیا جاتا ہے۔اسے ''لائن حاضر'' کرنا کہتے ہیں۔عموماً یہ لائن حاضری فوج میں ہوتی ہے۔اگر پولیس کی ہو تو اسے عرف عام میں ''ڈرائنگ روم کی سیر'' کا

نام دیا جاتا ہے۔ پتہ نہیں کراچی کے نگران رینجرز لائن حاضر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں یا ڈرائنگ روم کی۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ جسے وہ اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دے دیں وہ بہرحال لائن پر ضرور آجاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پٹڑی سے کیوں نہ اتر گیا ہو اور خواہ وہ عالم آن لائن ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ سنا ہے کہ نام نہاد عالم آن لائن یعنی ڈاکٹر عامر لیاقت حسین صاحب اپنے ''بھائی'' کا آن لائن خطاب سننے کے بعد لائن سے ایسے اترے کہ ہوش ہی نہیں رہا کہ بھائی کہہ کیا گئے، (بلکہ کیا کچھ نہیں کہہ گئے) الٹا ایک پریس کانفرنس میں بھائی کا دفاع کرنے بیٹھ گئے۔ یہ تو جب رینجرز نے انہیں لائن حاضر کر کے مبینہ طور پر اپنے ڈرائنگ روم کی سیر کروائی تو پھر لگ بھگ تئیس گھنٹوں بعد جا کر ان کو اپنے وطن کی غیرت، قومی پرچم کی غیرت وغیرہ اچانک یاد آگئی۔ راقم کے نزدیک تو اگر کسی کے دل میں اپنے وطن کی رتی برابر بھی غیرت ہو تو مردہ باد کا نعرہ خواہ اس کے ماں باپ نے بھی لگایا ہو تو اس کی مذمت کرنے میں وہ ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہیں کرے گا، چہ جائکہ ایک دن کی۔ بہرحال عالم آن لائن لائن حاضر ہو کر لائن پہ پھر ایسے آئے کہ ان کے محبوب لیڈر بھائی سے ''قائد''، قائد سے ''بانی''، بانی سے ''صاحب'' اور صاحب سے پھر غالباً ''اوئے طافے'' پہ اتر آئے۔ گویا لائن پہ آتے ہی خود بخود آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی۔ اور پھر اس کے بعد ان کی پارٹی یعنی ایم کیو ایم پاکستان نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ اپنے بانی سے ہر قسم کا آن لائن رابطہ بھی ختم کر چکے ہیں۔ غالباً اسی لئے مجبور ہو کر اگلے روز ان کے سابق بھائی نے پاکستان کی بجائے امریکہ آن لائن خطاب کر ڈالا اور وہی رٹی رٹائی لائینیں دوبارہ سنا دیں جو غالباً انہیں کسی اور وقت پہ سنانا تھیں لیکن قبل از وقت سنا بیٹھے۔ فلموں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اداکاروں کو اپنی اپنی لائینیں رٹ کر اپنے اپنے وقت پر سنانا ہوتی ہیں ورنہ فلم کا ڈراپ سین ہو کر فلم فلاپ ہو جاتی ہے۔ بعض اداکار غلطی سے کسی دوسرے کا سکرپٹ یاد کر کے سنا دیتے ہیں جیسے امریکی صدارتی امیدوار ڈونلڈ ٹرمپ کی اہلیہ صاحبہ نے مسز اوباما کی تقریر کی کچھ لائینیں زبانی یاد کر کے سنا دی تھیں۔ لیکن اس قسم کی سیاسی لائینیں اگر اپنے طور پر از سر نو تخلیق کر کے بھی سنائی جائیں تب بھی یار لوگوں کو لائنوں کے درمیان کچھ اور لکھا نظر آ ہی جاتا ہے، جسے نستعلیق اردو میں ''بین السطور'' کہا جاتا ہے۔ اپوزیشن، حکومتی جاسوسی ادارے اور سنسر بورڈ والے بین السطور (in between the lines) پڑھائی میں ماہر ہوتے ہیں۔ ان کی اسی مہارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فیضؔ نے کہا تھا کہ ؎

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

فیضؔ صاحب جن دنوں جیل میں تھے تب حکومتِ وقت کمیونزم اور سرخ انقلاب سے خائف ہو کر بین السطور پڑھائی میں اتنی ماہر ہو چکی تھی کہ بقول کسی ستم ظریف کے کئی غریب ریڑھی والوں کو صرف اس لئے دھر لیا گیا تھا کہ وہ تربوز بیچتے ہوئے پائے گئے تھے۔ چونکہ تربوز باہر سے سبز اور اندر سے سرخ ہوتا ہے لہٰذا تربوز علامتی طور پر کمیونسٹ پاکستانیوں کی علامت قرار پا گیا تھا۔ ان دنوں یہی غریب ریڑھی والے ڈر کے مارے سرخ مرچوں اور سرخ ٹماٹروں کی بجائے سبز مرچیں، سبز ٹماٹر، اور دیگر سبز سبزیاں مثلاً پالک اور ساگ بیچنے پہ مجبور ہو گئے تھے کہ کہیں کھلے عام کمیونزم کے پرچارک ہی نہ سمجھ کر دھر لئے جائیں۔ خوف و ہراس اتنا تھا کہ ان دنوں ساون کے اندھے بھی پولیس کو یہی بیان حلفی دیتے تھے کہ ہاں ہمیں سب کچھ ہرا ہی نظر آ رہا ہے۔ بات ہو رہی تھی لائن پر۔ ہمارے زمانہ طالبعلمی میں لائنیں کاپیوں میں پائی جاتی تھیں۔ اردو کی لائنوں والی کاپیاں الگ ہوتی تھیں، اور انگریزی کی چار لائنوں والی کاپی الگ۔ اور پھر ہائی سکول میں جا کر انگریزی کی چار لائنوں والی یہ کاپیاں ایک دم انگریزی کی سنگل لائن والی کاپیوں کو جگہ دے دیتی تھیں۔ انگریزی کی ان سنگل لائن والی کاپیوں پہ اردو لکھنا منع ہوتا تھا جس کی وجہ آج تک ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ ان لائنوں کا واحد فائدہ ہمیں یہ ہوتا تھا کہ ان کی حدود میں رہ کر لکھائی کرنے کے دو نمبر الگ ملا کرتے تھے اور خوش خطی کے پانچ نمبر الگ۔ آجکل اقوام متحدہ اپنی اپنی لائینوں کی حدود کے اندر رہنے والے ملکوں کو بھی ان کی خوش خطی پر اضافی نمبر دے دیتی ہے۔ کیون کہ لائن کراس کر کے لائن کے اُس پار داغ دھبے ڈالنے سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نے کیا لکھا ہے اور کیوں، اور پھر یہ کہ کس کے کہنے پر لکھا ہے۔ ایک قسم کی لائنیں ہتھیلیوں پہ بھی پائی جاتی ہیں جو قدرتی ہوتی ہیں۔

چوہدری برادران کے ''پڑھے لکھے پنجاب'' کی طرح کچھ پڑھے لکھے عالم ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو ہتھیلی کی ان لائنوں پہ لکھے کو آنکھیں بند کر کے بھی آسانی سے پڑھ لیتے ہیں خصوصاً بیوقوفوں کے ہاتھوں کی لائنوں کو۔ بعض حسین اور ظالم قماش ہتھیلی کی ان لائنوں پہ غیروں کے نام سجا کر اپنے عشاق کو سبق دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں تا کہ وہ اشارہ سمجھ کر خود ہی لائن پہ آجائیں۔ ورنہ لائنوں سمیت یہ ہتھیلیاں ان کے گالوں کے دونوں صفحات پر اپنی شوخیٔ تحریر کا کوئی نقش مستقل طور پر ثبت بھی کر سکتی ہیں۔ شاعر لوگ بھی ہاتھوں کی ان لکیروں پہ نجانے کیا کچھ پڑھتے لکھتے، اور لکھ لکھ کر مٹاتے رہتے ہیں۔ ہاتھوں کی ان لائنوں کا فائدہ یہ ہے کہ جب جی چاہا تختی کی طرح دھو دھلا کر پھر سے نئی ہو جاتی ہیں۔ بلکہ تختی کو تو پھر بھی ہر بار دھونے کے بعد اس پر نئے سرے سے لکیریں لگانی پڑتی ہیں جبکہ ہتھیلی پہ نہیں۔ اب کوئی یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ بزرگو یہ تختی کیا چیز ہوتی ہے۔ ''ٹچ پیڈ'' Touch pad وغیرہ کا زمانہ ہے، اب تو بچہ لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ انکل یہ کاپی کیا چیز ہوتی ہے ؟ انہیں تو بس PasteCopy والی کاپی کا ہی علم ہے۔ یاد آیا اردو میں لائن کو لکیر کہتے ہیں، جدید ماڈرن دور میں اردو کے بعض محاورے جو لکیروں پہ مبنی ہیں وہ آن لائن ہو کر کچھ یوں رواج پا سکتے ہیں مثلاً لائن کا فقیر، سانپ نکل گیا اب لائن پیٹا کرو وغیرہ۔ آخر پر یہ بیان کرتے چلیں کہ لائن کا ذکر لائن مین (manLine-) کے بغیر ادھورا ہی رہ جائے گا، بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ لائن کا ذکر ہو اور لائن مین کا نہیں، یہ کیسے ممکن ہے!۔ خاص کر برصغیر ہندو پاک کے لائن مین، جو خواہ محکمہ ٹیلیفون کے ہوں یا محکمہ بجلی کے، اپنی اپنی گلی اور محلہ کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کی شان میں یہاں کوئی گستاخی نہ ہی کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ ہمیشہ ان دیسی لائن مینوں کو دیکھ کر ہمیں انگلش مچھیروں کی fishing line یاد آجاتی ہے جس میں کبھی بھی کوئی بڑی نہیں بلکہ ہمیشہ چھوٹی مچھلیاں ہی پھنستی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے، یہ ہم اپنے دوست الٰہی بخش سے ہی پوچھ کر بتا سکیں گے، گو کہنا اس نے یہی ہے کہ ؎

ہم کو کس کے غم نے مارا، یہ کہانی پھر سہی !

آپ کے خطوط

مکرم رانا محمد رفیق صاحب خوشاب پاکستان سے رقمطراز ہیں۔

محترم مدیر صاحب ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

السلام وعلیکم

آپ کا یہ ادبی ماہنامہ اب ملکوں ملکوں پہنچ رہا ہے، دن بدن اس کی مقبولیت اور مانگ بڑھ رہی ہے۔ پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش کے علاوہ بہت سے اُردو پڑھنے والے لوگ اسے ویب سائٹ سے بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک گلدستہ، اور ادبی رسالہ ہے، اس میں نہ کوئی فرقہ پرستی یا سیاست کا ذکر ہوتا ہے بلکہ ہر مضمون کی تان ادب پر آ کے ٹوٹتی ہے۔ عرصہ تقریباً پونے چار سال سے ہی میں اس کا قاری ہوں اور آپ کی بے لوث خدمت کا معترف ہوں۔ نہ کوئی اس کے کمرشل عزائم ہیں میں آپ کی اور آپ کے اس انتھک اور بے لوث خدمت پر حیران و ششدر ہوں، لوگ تو مسجد بناتے بناتے پہلے اپنا گھر تعمیر کر لیتے ہیں۔ میں آپ کے لئے دعا گو ہوں، اگر کوئی معاونت کی پیشکش کی ضرورت ہو تو بندہ حاضر ہے۔ خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ

عامر حسنی

ثمر ایسا دیا تونے مرے صبرو رضا کا ہے
بھلا میں نے کیا کیا ہے ثمر تیری وفا کا ہے
خدایا فضل و احساں ہیں ترے مٹی کے مادھو پر
مری تر دامنی ظاہر ترا احسان کیا کیا ہے
کہیں کا بھی نہیں چھوڑے کچھ ایسا نفسِ امّارہ
ہمیشہ نفسِ لوّامہ ادھر کا ہے اُدھر کا ہے
ہے عاجز کی دعا آن اس کو باثمر رکھنا
یہ تیری ہی عنایت ہے، ترحّم ہے، سدا کا ہے
سدا عامر قدم بوسی کو حاضر، ہے جبیں خاکی
جو عاجز پیش کرتا ہے یہ سب تیرا، مرا کیا ہے

ڈنک

(احمد منیبؔ۔ایم۔اے)

دنیا مختلف علوم کے ماہرین سے بھری پڑی ہے اور آئے دن ہمیں بھی ان سے پالا پڑتا رہتا ہے۔بعض علوم تو ہمیں سکولوں اور کالجوں میں سکھائے جاتے ہیں لیکن بعض سینہ بہ سینہ چلتے ہیں۔اگر سینہ بہ سینہ نہ چلیں تو ایک دن بھی نہ چل سکیں۔لیکن بسا اوقات سینہ بہ سینہ چلنے والے کسی علم کا ماہر اسی علم سے نقصان بھی اٹھا جاتا ہے۔تب بڑی حیرت کا مقام ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوا؟؟ سینہ بہ سینہ چلنے والے علوم میں سے ایک علم ہے سانپوں کا علم۔ایک کبوتر بازی ہے،گھوڑوں کو پالنے اور ان کی چالوں کا علم ہے، کتے پالنے کا علم ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔لیکن موضوع سے آپ نفسِ مضمون تو سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ آج میرے آرٹیکل کا تعلق سانپوں کے علم سے ہے۔سپیرے یہ علم اپنی اولادوں میں منتقل کرتے ہیں اور ان کو بچپن ہی سے وہ سب کچھ سکھانے کی کوشش کرتے ہیں جو انہوں نے بڑے تلخ تجربات کے بعد سیکھا ہوتا ہے۔آپ سوچ سکتے ہیں کہ بچپن سے ہی جس شخص کا اوڑھنا بچھونا جو چیز ہو اسے بڑے ہو کر اس چیز کے بارہ میں زیادہ معلومات ہوتی ہیں اور اس کا اپنا عملی علم اور کام اس پر مستزاد ہوتا جاتا ہے۔سانپوں کے علم کے بارہ میں عام طور پر ہم مداری کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح سانپوں سے کھلتا ہے۔اس سے اپنے ہاتھوں، بازوؤں اور ٹانگوں پر ڈسواتا ہے لیکن وہ محض ایک چھوٹے سے انسان کے بچے کے کاٹنے کی طرح تھوڑا سا درد محسوس کرتا ہے اور بس! بچپن میں ہم یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتے تھے کہ اس نے سانپ کے دانت کھٹے کیے ہوئے ہیں۔جب ہم بڑے ہو گئے اور ہمارا علم بھی کچھ ترقی کر گیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ سانپوں کے دانت لیموں، املی یا ٹاٹری سے کھٹے نہیں کیے جاتے بلکہ دانت کھٹے کرنا ایک محاورہ ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا زہر نکال لیا گیا ہوتا ہے۔چنانچہ پتہ چلا کہ جس انسان کو مارنے کے لیے سانپ کے دانت نہیں بلکہ اس کا زہر اصل چیز ہے اگر زہر نہ ہو تو سانپ لاکھ کاٹے اس سے انسان مرتا نہیں۔ہاں ایک عام انسان سانپ کی دہشت کی وجہ سے مر سکتا ہے۔دراصل سانپ کے منہ میں اُوپری جبڑے یعنی تالو پر زہر کی تھیلیاں لٹک رہی ہوتی ہیں۔سانپ کے جسم کا نظام جب زہر تیار کرتا ہے تو وہ سارا زہر اس کے منہ میں آ کر انہی تھیلیوں میں جمع ہوتا جاتا ہے اور پھر سپیرے یا مداری وہ سارا زہر نکال کر بیچ دیتے ہیں۔زہر کی قیمت اس کی تاثیر کے مطابق پڑتی ہے۔اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اکثر سپیرے اَن پڑھ ہونے کے باوجود بے دھڑک سانپوں کو ہاتھ ڈالتے اور آسانی سے پکڑ بھی لیتے ہیں۔یہ وہ علم ہے جو سینہ بہ سینہ چلتا ہے جبکہ یہ علم نہ ہونے کی وجہ سے ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا انسان بے شک ایم اے ہو یا پی ایچ ڈی، سانپوں سے ڈرتا ہے اور اُن پر ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ ان کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔حالانکہ سانپوں کے بارہ میں کتابوں میں یہ لکھا ہوا عام مل جاتا ہے کہ اکثر سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سپیرے بھی اجنبی سانپ کو پکڑتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ ان کو طریقہ آتا ہے کہ کس طرح سانپ کی کینچلی کاٹی جاتی ہے اور اس کی مُنڈی یعنی گردن قابو کی جاتی ہے کہ وہ ڈسنے کے قابل نہ رہے۔جب ہم تاریخ کے جھروکوں سے جھانکتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سانپوں سے کھیلنے والے بالآخر سانپوں کا ہی شکار بن جاتے ہیں اور اپنے انہی قدرتی کھلونوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ مختلف جانور پالیں یا مختلف قسموں کے سانپ ہی پال لیں۔

اس تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سیاست ایک مقدس فریضہ ہے جس کے تحت کوئی بھی معاشرہ اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔حزبِ اقتدار کی سستیوں کو دور کرنے کے لیے حزبِ اختلاف کا ہونا از حد ضروری ہے۔ صاحبِ ایوان کی سستی دور کرنے والے اہم لوگ اپوزیشن یا حزبِ اختلاف کہلاتے ہیں جو تعداد میں کم ہونے کے باوجود اثر رسوخ میں بڑھے ہوتے ہیں۔کیونکہ عوام میں بھی صاحبِ اقتدار کے خلاف باتیں سننے کا رجحان نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔باوجود یہ کہ بہت سی خرابیوں کے ذمہ دار بائیں بازو والے ہی ہوتے ہیں۔ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ملکی ترقی میں حزبِ اقتدار سے بڑھ کر حزبِ اختلاف کا کردار ہوتا ہے۔بیرونی دنیا میں سیاست کا عام طالب علم بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ چونکہ حزبِ اختلاف ہی حزبِ اقتدار کو توجہ دلاتا ہے کہ فلاں کام ہونے والا ہے اس کی طرف توجہ کرو یا فلاں مسئلہ حل طلب

ہے اس کو توجہ دو اور یوں کام چلتے چلے جاتے ہیں۔ وطنِ عزیز پاکستان میں ارتقا کے سست عمل کا ذمہ دار صرف حکومتی پارٹی کو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کی ذمہ داری جس قدر حکومتی پارٹی کی ہتی ہے اسی قدر حزبِ اختلاف پر بھی عاید ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں پارٹیاں یا ان کے حلیف ایک دوسرے کو شکست دینے کی خاطر باہم دست و گریبان رہتے ہیں اور عوام درمیان میں پستی رہتی ہے۔ پھر وہ وقت آجاتا ہے کہ جب عوام دونوں پارٹیوں سے مایوس ہو کر اپنے آپ میں مگن ہو جاتی ہے۔ گویا:

اپنے ہی من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

ایک المیہ تو یہ ہے کہ صاحبِ اقتدار، اقتدار بچانے کے لیے لڑتا جھگڑتا ہے، جھوٹ بولتا اور کرپشن کا بازار گرم کرتا ہے اور صاحبِ اختلاف، صاحبِ اقتدار کو نیچا دکھانے، خود اقتدار حاصل کرنے اور کرسی کے پیچھے تمام اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر لڑتا جھگڑتا ہے اور کرپشن کا بازار گرم کرتا ہے۔ لیکن بد دلی، مایوسی اور نقصان پہنچتا ہے تو صرف عوام کو۔ اقتدار بے چارہ ہاکی کی گیند کی طرح کبھی ایک ٹیم کے کسی کھلاڑی کے پاس ہوتا ہے کبھی دوسری ٹیم کے کسی کھلاڑی کی ہاکی کی نوک پر۔ یہ تو الگ الگ پارٹیوں کی الگ الگ ملی جلی داستان ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے جن لوگوں کو ترقی دے کر فرش سے عرش پر بٹھایا ہوتا ہے، ٹاٹ سے کرسی کا مالک بنایا ہوتا ہے۔ وہی ان حکمرانوں کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اب میری تمہید آپ کو سمجھ آئے گی کہ سانپوں سے کھیلنے والے اگر اس کا ڈنک نہ نکال لیں تو سانپ انہی کو ڈس لیا کرتے ہیں۔ بس بات اتنی سی ہے۔ ایوب خان نے بھٹو کو رستہ دیا تو تھنی اندر کرنے کا لیکن کچھ دیر کے بعد بھٹو اندر اور ایوب باہر۔

پھر بھٹو نے بغیر ڈنک نکالے وہی غلطی دُہرائی اور ضیاء الحق کو موقع دیا تو وہ بھٹو سے بھی زہریلے نکلے۔ بھٹو نے تو ایوب خان کو صرف آؤٹ کیا تھا ضیاء الحق نے تو بھٹو صاحب کی روح کو ہی ان کے جسم سے آؤٹ کر دیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ بھٹو صاحب ڈنک نہیں نکال پائے تھے۔ پھر ضیاء الحق نے محمد خان جونیجو مرحوم کو موقع دیا کہ وہ ضیاء الحق پر ہاتھ صاف کر لیں لیکن جونیجو مرحوم کے ڈنک مارنے سے پہلے ہی ضیاء الحق نے ان کا ڈنک نکال لیا۔ پھر بڑے عرصہ کے بعد اسی غم سے جناب جونیجو زندگی سے محروم ہو کر مرحوم ہو گئے۔ بے نظیر بھٹو کو موقع ملا تو گھاگ سیاست دان اس کے پلے پڑ گیا جس کے دانت کھٹے کرنا یا زہر نکالنا محترمہ کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ اس گھاگ سیاست دان نے بے نظیر کو ایسا ڈنک مارا کہ وہ بے چاری بلبلا بھی نہ سکی باوجود اس کے کہ وہ ایک منجھے ہوئے سیاست دان کی بیٹی تھیں۔ پھر نواز شریف کا دور آیا جو سیاست کے باب میں بینظیر کے مقابلہ میں بھی نو وارد ہی تھے۔ انہوں نے لغاری صاحب کے دانت کھٹے کرنے کی از حد کوشش کی لیکن وائے حیرت ایک مرتبہ مار کھا گئے دوبارہ جی اٹھے کیونکہ ایک کاروباری اور صنعت کار کو ایک سیاست دان کی نسبت کرپشن کے طریق زیادہ آتے ہیں۔ چنانچہ دوبارہ جی اٹھے۔ اپنی طاقت بڑھانے کا نشہ ان کو لے ڈوبا اور فوجی ڈنک ایسا لگا کہ جیل ہو گئی اور پھر مشروط طور پر ملک سے باہر نکلنا پڑا۔ فوجی ڈنک کے خلاف ایک بار سیاست دانوں اور صنعت کاروں کے مابین صلح ہوئی۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس صلح پر حبِّ علی نہیں بلکہ بغضِ معاویہ کا محاورہ صادق آتا ہے۔ پھر فوجی ڈنک ملک سے نکالا گیا اور سیاست دانوں اور صنعت کاروں نے سکھ کا سانس لیا لیکن ملک عزیز میں جب بھی کوئی برا وقت آتا ہے یا کوئی آفت آتی ہے تو سیاست دان اور صنعت کار ایک دوسرے پر الزام بازی شروع کر دیتے ہیں۔ سیاست دانوں نے صنعت کاروں کو ایک صوبہ تک محدود کر رکھا ہے اور صنعت کاروں کی بہتری بھی اسی میں ہے کہ وہ ایک صوبہ کی حکومت کو ہی سنبھال لیں کیونکہ اس سے آگے بڑھنے میں ابھی ان کے لیے نقصان ہی نقصان ہے۔ نقصان ملک کا ہو رہا ہے، پاکستانیوں کا ہو رہا ہے، عوام کا ہو رہا ہے لیکن الزام بازیوں میں ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالا جا رہا ہے اور عوام کا کوئی بھی پرسانِ حال نہیں ہے۔ کوئی باہر سے آئے گا تو کیا کر لے گا؟ یہاں کی بدامنی، کرپشن، خراب حالات اور بداعتمادی کی فضا کو کیسے دور کر سکے گا؟ اس وقت پاکستان کو ضرورت کسی سیاسی لیڈر کی نہیں ہے بلکہ خدا خوفی دلانے والے کسی ایسے مذہبی لیڈر کی ہے جو آدمیوں کو انسان بنا سکے اور ان کے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی پیدا کر کے ان کو اعلیٰ اخلاق سکھا سکے اور ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق پیدا کر سکے کیونکہ خدائی لیڈر کا ہی کام ہے کہ وہ بلا بلا کر کہتا ہے کہ آؤ! میں تمہیں زندہ کروں! آؤ میں تمہیں زندہ کروں! آؤ میں تمہیں زندہ کروں!

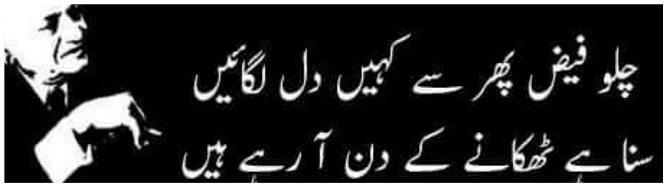

وٹس ایپ کی بے پناہ مقبولیت اور کچھ دلچسپ حقائق

اگر آپ موبائل پر انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں اور خاص طور پر اگر اسمارٹ فون کے مالک ہیں تو لازمی طور آپ وٹس ایپ کے صارف بھی ہونگے۔ وٹس ایپ نے ایک کراس پلیٹ فارم میسجنگ سروس کی حثیت سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور تقریباً ہر موبائل پلیٹ فارم پر دستیاب ہونے کی وجہ سے یہ آج ہر موبائل صارف کی ضرورت بن گئی ہے۔ وٹس ایپ کو استعمال کرتے ہوئے صرف انٹرنیٹ کنکشن کے زریعے آپ کسی بھی وٹس ایپ صارف کے ساتھ ٹیکسٹ میسج، تصاویر، وڈیوز اور وائس کال کا فوری تبادلہ کر سکتے ہیں۔ یہاں ہم اس انتہائی مقبول انسٹنٹ میسجنگ سروس کے بارے میں کچھ دلچسپ حقائق بیان کرتے ہیں۔

وٹس ایپ: سب سے زیادہ استعمال ہونے والی میسجنگ ایپ 1۔19 ارب ڈالر میں فیس بک کو فروخت گذشتہ سال فروری 2014 میں وٹس ایپ کی مقبولیت کی وجہ سے فیس بک نے اس کو 19 ارب ڈالر کی ناقابل یقین قیمت میں خرید لیا تھا۔ 19 ارب ڈالر کتنی بڑی قیمت ہے؟ اسکا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ نوکیا جیسی معروف کمپنی کا موبائل ڈویژن مائیکروسافٹ نے تقریباً ساڑے 7 ارب ڈالر میں خریدا تھا، اسکے علاوہ گوگل نے ایک اور موبائل ساز ادارے مٹرولا موبلیٹی کو صرف پونے 3 ارب ڈالر میں چینی کمپنی لینوو کے ہاتھ بیچا تھا۔ اسی وجہ سے وٹس ایپ کی فروخت ٹیکنالوجی کی دنیا کی آج تک کی سب سے مہنگی قیمت میں ہوئی ہے۔ وٹس ایپ اب فیس بک کی ملکیت ہے۔2۔ ایک ارب فعال صارفیناس ماہ وٹس ایپ نے اعلان کیا ہے کہ وٹس ایپ کے فعال صارفین کی تعداد ایک اارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ یعنی دنیا میں ہر 7 میں سے ایک آدمی کے پاس وٹس ایپ کا اکاؤنٹ موجود ہے۔ یہ بات دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ ایک سال پہلے کمپنی نے 50 کروڑ صارفین حاصل کرنے کا سنگ میل عبور کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف ایک سال میں وٹس ایپ پر 50 کروڑ افراد نے اکاؤنٹ بنایا ہے یعنی اس ایپ کی مقبولیت مزید تیزی سے بڑھ رہی ہے۔3۔ روزانہ 42 ارب پیغامات کی ترسیلوٹس ایپ کے مطابق اس ایپلیکیشن کے صارفین روزانہ 42 ارب میسجز کا تبادلہ کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ وٹس ایپ کے پلیٹ فارم کے ذریعے ہر 24 گھنٹوں میں ڈھائی کروڑ وڈیوز بھی ایک دوسرے سے شیئر کی جاتی ہیں۔4۔ بالکل مفت سروسوٹس ایپ کی خاص بات یہ ہے کہ اب یہ سروس بالکل مفت دستیاب ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس سروس کی فیس صرف ایک ڈالر سالانہ تھی مگر کمپنی نے جنوری 2016 سے وہ بھی ختم کر دی ہے اور اب ہر صارف زندگی بھر بغیر کسی فیس اور اشتہارات کی جھنجٹ کے وٹس ایپ استمال کر سکتا ہے۔5۔ وٹس ایپ وائس کالوٹس ایپ نے کتوبر 2014 میں مفت وائس کال فراہم کرنے کی سروس کا آغاز کیا ہے اور بہت سے لوگوں کیلئے اب یہ فون کال کا متبادل ہے اور مفت انٹرنیٹ وائس کال فیچر کی وجہ سے یہ مائیکروسافٹ کی مقبول عام سروس ''سکائپ'' کے بالمقابل بھی آ چکی ہے۔5۔ بڑھتا ہوا مقابلہگر چہ وٹس ایپ بین الاقوامی طور پر سب سے زیادہ استعمال ہونے والی میسجنگ سروس ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے ملکوں مقامی میسجنگ ایپس کی حکمرانی ہے، جیسا کہ میسجنگ ایپ ''کوئی چیٹ'' کے چین میں 50 کروڑ صارفین ہیں۔ اسی طرح ''لائن'' جاپان جبکہ ''کاکئوٹک'' کوریا میں مقبول ترین میسجنگ ایپس ہیں۔6۔ پیسے بنانے کی نرم پالیسیوٹس ایپ میں دیگر ایپس کی طرح سبسکرپشن فیس، اشتہارات یا سٹکرز بیچ کر پیسے نہیں کمائے جاتے بلکہ اس کی ایک ڈالر سالانہ قیمت کو بھی وٹس ایپ جنوری 2016 سے ختم کر دیا ہے یوں یہ اب ایک بالکل مفت سروس بن گئی ہے۔ کمپنی کے بانی کم جان قوم کا کہنا ہے کہ " ہماری کوشش ہے کہ ہر انسان کو قابل بھروسہ اور کم خرچ سروس کی زریعے دنیا بھر سے رابطہ رکھنے کے قابل بنایا جائے۔''

7۔ آغاز اور فروخت کی دلچسپ کہانی وٹس ایپ کے بانی جان کوم اور برائن ایکٹن نے 2007 میں یاہو میں ملازمت سے استعفیٰ دیا اور اسکے بعد انھوں سے فیس بک میں ملازمت کیلئے درخواست دی، جس کو نظر انداز کر دیا گیا۔ فروری 2009 میں انھوں نے وٹس ایپ کا آغاز کیا اور صرف پانچ سال بعد فیس بک نے ان کی بنائی ہوئی ایپ کو 19 ارب ڈالر میں خریدا جن میں سے 4 ارب کیش جبکہ باقی رقم فیس بک شیئر کی صورت میں دی گئی، یوں اب یہ دونوں فیس بک میں 12 فیصد شیئر کے مالک ہیں۔ (بشکریہ blogistan.urdusource.com//:http)

ملاحظاتِ کاشغری

نجم الثاقب کاشغری

اردو شعراء میں سے مجھے اقبالؔ بیحد پسند ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں میرے اجداد کے آبائی وطن کاشغرؔ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

مغل بادشاہ اورنگزیب کے زمانہ میں میرے اجداد کاشغر سے ہجرت کر کے ہندوستان وارد ہوئے، ان کی ہجرت خاندانی روایات کے مطابق اورنگزیب سے متحارب اس کے بھائی داراشکوہ کے دعویٰ تخت نشینی کی پاسبانی کے لئے تھی۔ بالفاظ دیگر ''سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری''۔ ہونا کیا تھا ہزیمت اُٹھا کر گجرات کا رُخ کیا جہاں کے مہمان نوازوں نے حسب رواج ان کی جوتیاں چھپالیں اور پھر وہ کئی نسلوں تک کہیں بھی آنے جانے کے قابل نہ رہے۔ اور اس پر راقم خدا تعالیٰ کے بعد گجراتیوں کا بیحد شکرگزار ہے!۔ صرف اور صرف کاشغر کا ذکر کرنے کے حوالے سے ہی اقبال کا یہ شعر میرے لئے فی الحال دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہے کیونکہ میں امنِ عالم اور بالخصوص پاک چین دوستی کا مداح ہوں اور اس شعر کی عملی تفسیر جس افسوسناک طریق پر آج کچھ مسلمان کہلانے والے کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ حکومت چین ہی کو نہیں بلکہ مجھے بھی گوارا نہیں۔ واضح رہے کہ راقم کے اجداد جب تک کاشغر میں رہے ''حب الوطن من الایمان'' پر عمل پیرا رہے اور جب ہندوستان کو اپنا وطنِ ثانی مان کر یہیں کے ہو رہے تو پھر بھی اسی شعار کو حرزِ جان بنائے رکھا اور بعد میں فساد کی کوئی راہ اختیار نہیں کی۔ اس تمہید کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جن دنوں چین کے ساتھ اقتصادی راہداری معاہدہ کئے جانے کی داغ بیل رکھی جا رہی تھی اور وزیر اعظم پاکستان محترم میاں نواز شریف صاحب 2014ء میں چین کے دورہ پر تشریف لے گئے تھے تو چینی حکمرانوں نے انہیں اپنے خدشات اور تفکرات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اقتصادی راہ داری مہیا کرنے سے قبل پاکستان اپنی سرزمین اور چین سے ملنے والی سرحد کو ان دہشت گردوں سے پاک کر دے جن کا مقصد چین میں فساد، بغاوت اور تخریب کاری کو ہوا دینا ہے۔ ان کا اشارہ جدید دور میں کاشغر سے آئے ہوئے ایسے انتہا پسندوں کی طرف تھا جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کا مقصد حرم کی پاسبانی نہیں بلکہ نام نہاد ایسٹ ترکستان کی ''اسلامی'' مملکت کے قیام کے لئے غیر قانونی، غیر جمہوری ہتھکنڈوں اور شدت پسندی کی راہ اپنا کر دنیا بھر میں مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کو نقصان پہنچانا تھا۔ اطلاعات کے مطابق چین نے ایسے شواہد حکومت پاکستان کو پیش کئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شدت پسند جہادی وزیرستان میں قائم دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپوں میں پناہ اور تربیت لیتے ہیں۔

یاد رہے کہ 2014ء میں ہی پاک افواج نے ہمارے ہردلعزیز جرنیل محترم راحیل شریف صاحب کی زیر قیادت ضرب عضب شروع کی۔ شکر ہے کہ آج میاں نواز شریف صاحب نے ''گوادر کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر'' صرف اور صرف امن پسندوں کی قانونی آمد و رفت کے لئے مثبت پیش رفت اپنے قول اور فعل سے ثابت اور ممکن بنا دی ہے جس کا ایک بڑا کریڈٹ جنرل راحیل شریف صاحب کو جاتا ہے۔ جہاں تک کسی خطہ میں کسی نئی آزاد ریاست کے قیام یا خود مختاری کا تعلق ہے تو اس کے لئے جمہوری اور پرامن راستہ کھلا ہے۔ یہ زمانہ ڈائلاگ کا ہے، مسلح جدوجہد کا نہیں۔ فی زمانہ مسلح جدوجہد ہر جگہ ناکام و نامراد ہی رہی ہے۔ میرے اجداد نے بھی یہی سبق حاصل کیا تھا اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی یہی پیغام دے کر گئے۔ ساتھ یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ کسی خطہ کے مسلمانوں کی آزادی یا خود مختاری، یا ان کے جائز حقوق کی بات کرنا بھی کوئی گناہ نہیں۔ آزادی کے بعد پاکستان کے نمائندہ، وزیر خارجہ الحاج چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اقوام متحدہ کے پلیٹ

فارم پر کتنے ہی مسلمان ممالک کا کیس لڑا اور انہیں نوآبادیاتی تسلط سے آزادی دلوائی۔ کتنے ہی عرب ممالک اب تک پاکستان کے مشکور ہیں کہ پاکستانی مندوب کی شکل میں ان کو ایک قابل وکیل کی خدمات حاصل ہو گئیں جن سے بہتر ان کا کیس اور کوئی پیش نہ کرسکتا تھا۔ بدنام زمانہ فوجی آمر ضیاء الحق سے پہلے تک پاکستان نے دنیا کے مختلف خطوں میں آباد مظلوم مسلمانوں کے حق میں ہمیشہ پرامن تحریک اقوام عالم کے پلیٹ فارم پہ اُٹھائی لیکن افسوس کہ ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے دور سے پاکستانی حکومتوں نے غیر اعلانیہ طور پر دنیا کے بعض دیگر مسلمانوں کی ''آزادی'' میں اپنا حصہ اس طرح ڈالنا شروع کر دیا کہ اپنی سرزمیں کو (نام نہاد) جہادیوں کو دہشت گردی اور تخریب کاری کے لئے اڈے قائم کرنے کی خاموش اجازت دینا شروع کردی یا کم از کم اس طرف سے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ غالباً اس کی وجہ ''سفید کافروں'' کے ایما پر ''سرخ کافروں'' کے خلاف جہاد کے نام پر پراکسی وار لڑنا تھی۔ چنانچہ اُسامہ بن لادن کو لے لیں یا ازبک ''مجاہدین'' کو، افغان طالبان کو لیں یا سنٹرل ایشین ''جہادی'' موومنٹ کو۔ چیچن جہادی ہوں یا کوئی اور، پاکستان کی سرزمین ہی کسی نہ کسی حوالہ سے ان کے نام کے ساتھ نتھی نظر آتی رہی ہے۔ چند ماہ پیشتر ایک ایسے غیر ملکی انتہا پسند کو ڈرون حملے میں مارا گیا جس کے پاس پاکستانی پاسپورٹ تھا جس پر اس نے کتنے ہی انٹرنیشنل سفر بشمول عمرہ وغیرہ ادا کئے ہوئے تھے اور دھڑلے سے کراچی انٹرنیشنل ائرپورٹ سے ملک میں انٹر اور ایگزٹ ہوتا رہا۔ یہ سب ضیاء الحق کی یادگار اور ''تحفہ'' ہے۔ راقم نے اپنے گزشتہ کالم میں ''کنگھی combing آپریشن'' کی بجائے اُسترا پھیرنے کی جو تجویز دی تھی اس کا پس منظر یہی ہے۔ ''قومی'' شناختی کارڈ اور پاکستانی پاسپورٹ کے حامل تمام (جی ہاں تمام) ''پاکستانیوں'' کو لائن حاضر کر کے اور ایک ایک کا چہرہ مہرہ دیکھ کر بلکہ ڈی این اے ٹیسٹ کر کے جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سے محترم اسفند یار ولی خان صاحب کی اس حالیہ تجویز سے بھی راقم پوری طرح اتفاق کرتا ہے کہ ''فاٹا'' اور ''پاٹا'' کی تفریق اور حدود ختم کر کے یہ تمام علاقے صوبہ خیبر پختونخوا میں ضم کر دیئے جائیں۔ قیام پاکستان کے ستر سال گزر جانے کے بعد اس اقدام سے مقامی افراد کے علاوہ پاکستان کا بھی بھلا ہوگا۔ اشتہاری مجرم ہوں یا اغوا کنندگان، غیر ملکی دہشت گرد ہوں یا ملکی تخریب کار، یا ''فاٹا'' سے برآمد ہوتے ہیں اور یا ''پاٹا'' سے۔ بعض نادان، ناعاقبت پسند چینی ''جہادی'' مسلمانوں کی مذکورہ بالا کارروائیوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ ایک تو یہ کہ حال ہی میں باجود ہمالہ سے بلند، شہد سے میٹھی اور سمندر سے گہری پاک چین دوستی کے، کاشغر اور اس سے ملحقہ علاقوں کے ہوٹلوں میں پاکستانی مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح چین کے اس مسلم اکثریتی صوبہ میں رمضان پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے اور اسی طرح نوجوان چینی مسلمانوں کے لئے اسلامی شعار میں ایک یعنی داڑھی رکھنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ شاید یہ قوانین چین نے اپنے دیرینہ دوست پاکستان سے سیکھ کر اپنائے ہیں۔ دوطرفہ تعلقات کا تقاضا ہے کہ چین بھی پاکستان سے کچھ نہ کچھ تو ضرور سیکھے اور ''امپورٹ'' کرے خواہ وہ قوانین ہی کیوں نہ ہوں۔ قارئین کو علم ہوگا کہ پاکستان میں بھی ایسے قوانین موجود ہیں کہ جن کے تحت بعض پاکستانیوں پر سرعام نماز پڑھنے، سلام کرنے، درود پڑھنے، قربانی کرنے، رمضان بازار کا انعقاد کرنے، سحری کھانے حتیٰ کہ بآواز بلند سلام کرنے بلکہ اسلامی وضع قطع اپنانے تک پر پابندی ہے۔ انہی قوانین کے تحت ان مخصوص پاکستانیوں کی مساجد کے مینارے بھی مسمار کر دئے گئے۔ پاکستان کے اس قانون سے یورپ کے بعض ممالک نے بھی سیکھ لیا کہ اچھا مسجدوں کے میناروں پر پابندی بھی لگائی جاسکتی ہے، اور وہ قانونی طور پر گرائے بھی جاسکتے ہیں! چنانچہ انہوں نے بھی اپنے ملک میں مسجدوں پہ مینارے تعمیر کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ بات سے بات چل ہی نکلی ہے تو ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کرتا چلوں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے جب آئین کی رو سے پاکستانی احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا تو ہمارے محلے کے چند لڑکے بالے پڑوس میں رہنے والے ایک احمدی بزرگ کو سڑک پر دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے اور از راہ تفنن طنزیہ استفسار کیا کہ کافر یا غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد انہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے تو آپ نے نہایت اطمینان سے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ آج میں خود کو نہایت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں کیونکہ کل تک مجھے ہر وقت اس بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں کوئی نماز قضا نہ ہو جائے، روزہ مکروہ نہ ہو

جائے۔تلاوت قرآن اور دیگر کسی نیکی سے محروم نہ رہ جاؤں، وضو کے کپڑے ناپاک نہ ہوجائیں، کسی کی دل شکنی کر کے خدا کے غضب کا وارد نہ ہوجاؤں لیکن رات بارہ بجے کے بعد سے حکومت وقت نے مجھے اس قسم کی تمام فکروں سے آزاد کر دیا ہے۔اب تو میں آئین پاکستان کی رو سے شریعت اور اعمال صالحہ کا مکلف نہیں رہا اس لئے دوسروں کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہوں وہ کروں گا کیونکہ حکومت نے میرے لیے آخرت، یوم حساب اور جزا سزا پر ایمان رکھنے کی کی بات بھی ختم کر دی ہے۔اسی طرح پہلے تو جب میری کوئی مرغی مرجاتی تھی تو مجبوراً اسے تلف کر دینا پڑتا تھا لیکن اب میں مردار اور حرام مرغی بھی پکا کر ہمسائیوں کو کھلا سکوں گا، آج کے دن سے میں بھلا کون سا مسلمان ہوں جو کسی کا لحاظ کروں!۔اس پر وہ سارے لڑکے جو سوال پوچھتے وقت دانت نکال نکال کر ہنس رہے تھے ،شرمندگی سے دُم دبا کر اِدھر اُدھر کھسک کر بھاگ لئے!۔

معاف کیجئے بات اقبالؔ سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔راقم کے نزدیک چینی حکمرانوں کو چونکہ علم ہے کہ اقبالؔ پاکستان کا قومی شاعر ہے لہٰذہ جہاں وہ پاک چین دوستی کو مزید اُستوار ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں وہاں وہ اس ''کاشغری شعر'' کے علاوہ اقبال کے بعض اور شعروں کے حوالے سے بھی شاید اپنے تحفظات اور خدشات کا اظہار محترم میاں نواز شریف صاحب سے کریں کیونکہ بقول ان کے، چینی حکومت مسلم لیگ نون کے ہی برسر اقتدار آنے کی منتظر تھی۔چینی نکتہ نگاہ سے اقبالؔ کا اگلا قابل توجہ بلکہ تشویشناک شعر مندرجہ ذیل ہوسکتا ہے جس کے مطابق ؎

چینؔ و عرب ؔ ہمارا، ہندوستاںؔ ہمارا

لیکن چین کو تسلی رہے کہ جہاں تک عرب کا تعلق ہے تو میاں صاحب نے سعودی عرب کی اس درخواست بلکہ حکم کو اپنی ذاتی دوستی داؤ پہ لگا کر رد کر دیا تھا جس میں انہوں نے پاکستانی ملٹری کو نام نہاد گرینڈ اسلامک الائینس میں شامل ہونے کا کہا تھا۔گویا اقبال کے شعر میں سے عرب تو نکل چکا لہٰذہ چین کو بھی پاکستان سے کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہونا چاہئے۔چین تو دور کی بات ہے پاکستان تو سیاچین سے بھی دستبردار ہو چکا ہے۔باقی رہ گیا ہندوستان تو چین نے تو خود ہندوستان کے خلاف پاکستان کی بھرپور مدد کرنے کا اعلان حال ہی میں کیا ہے جو نہیں چاہتا کہ گوادر کے راستہ چین کو گرم پانیوں تک رسائی حاصل ہو سکے۔پس اقبالؔ کے خواب کی بنیاد پر قائم ہونے والا ملک ''چین و عرب'' سے دستبردار ہو کر اگر صرف ''ہندوستاں ہمارا'' لہک لہک کر گانے پر اکتفا کرتا ہے اور گاتے ہوئے ہندوستاں کو آنکھیں دکھاتا ہے تو چین بھی اس کی لے میں اپنی لے ملانے میں خوشی محسوس کرے گا۔رہے نام اللہ کا۔

پرانے سکے جن پر کلمہ طیبہ بھی لکھا ہوا ہے

حاصلِ مطالعہ

عاصی صحرائی

مطالبہ پاکستان کے خلاف علمائے دیوبند کا فتویٰ

ذیل میں جمیعت علمائے ہند کے رہنما محمد کفایت اللہ دہلوی دستخط شدہ فتویٰ کا عکس درج کیا جارہا ہے اس قلمی فتوی پر جناب احمد سعید (ناظم جمعت علمائے ہند) اور جناب حبیب المرسلین نائب مفتی دہلی کی تصدیقات بھی موجود ہیں۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومشائخ شرع اس مسئلہ میں کہ

(1) علمائے کام ومشائخ مظام کو موجودہ وقت میں اسمبلیوں کے لئے ممبر بن کر جانا جائز ہے یا ناجائز۔

(2) بشرطہ جواز ہو حلفیہ عہد وفاداری سے لیا جاتا ہو اس کا کیا حل ہوسکتا ہے انگریزوں کے اس عہد نامے پر دستخط کر دینے سے مطمئن بالاسلام ہوکر کچھ حرج لازم نہیں آتی؟

خطرہ

کولر کے ساتھ پڑا گلاس خطرے میں ہے۔ مسجد میں جوتی خطرے میں۔ وضو کی ٹوٹی خطرے میں۔ گلی میں لگا بلب خطرے میں۔ گاڑی کا آئینہ خطرے میں۔ سڑک پر مسلمان خطرے میں۔ سوال وقول خطرے میں۔ اگر 70 سال میں اس مملکت خداداد نے کچھ خطرے سے نکالا ہے تو وہ مولوی ہے مولوی جسکی نہ نوکری خطرے میں نہ جان خطرے میں نہ احترام خطرے میں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے

اگر مومن اور کافر سمندر میں اُتر جائیں تو صرف وہی بچے گا جسے تیرنا آتا ہوگا، خدا جاہلوں کی طرف داری نہیں کرتا چنانچہ جاہل مسلمان ڈوب جائے گا۔ اور عالم کافر بچ جائے گا۔

صوفی تبسم اور محبت

شادی کے بعد عورت کے نام کے ساتھ مرد کا نام لگاتی ہے۔ خود ہی سوچئے کے اگر عورت کا نام اور مرد کا ایک دوسرے کی ضد ہوں تو عورت کا نام کتنا بُرا لگے گا۔ مثلاً جین دتہ۔ شہلا ڈوایا، فریحہ بوٹا یا یوں کہہ لیجئے مسز دتہ مسز ڈوایا مسز بوٹا لہٰذا نام فوراً بدل لیجئے۔ مجھ اب بھی یاد ہے کہ مجھے چند سال قبل راولپنڈی کے ایک شوقین مزاج کا خط موصول ہوا اور میری تحریر کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے اور آخر میں سوال پوچھا کہ کیا ہماری دوستی ہوسکتی ہے؟

چونکہ اُن کے خط میں کہیں بھی ظاہر نہیں ہورہا تھا کہ انہوں نے مجھے صنف نازک سمجھ کر خط لکھا ہے لہذا میں نے بھی سادہ سا جواب تحریر کر دیا کہ کیوں نہیں پھر اُن کے خطوط کا تانتا بندھ گیا میری طرف سے جواب میں تاخیر ہوئی تو ایک خط میں لکھا کہ تم نخرے بہت کرتی ہو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی میں نے اُس وقت فوراً اُنہیں ایک تصویر ارسال کی جس میں داڑھی شدہ ہوتا تھا۔ جواب ارجنٹ میل سے آیا لکھا تھا۔ صوفی تیرا کُکھ نہ رہے میں نے تو ماں کو بھی راضی کرلیا تھا۔

باباجی کہتے ہیں کہ پتر درد وہ ہوتا ہے جو ہمیں دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر ہو ورنہ اپنا درد تو جانور بھی محسوس کرتے ہیں۔ (اشفاق احمد)

موتی کی قیمت

ایک استاد تھا وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا کہ یہ دین بڑا قیمتی ہے۔ ایک روز ایک طالب علم کا جوتا پھٹ گیا۔ وہ موچی کے پاس گیا اور کہا: میرا جوتا مرمت کردو۔ اس کے بدلہ میں، میں تمہیں دین کا ایک مسئلہ بتاؤں گا۔

موچی نے کہا: اپنا مسئلہ رکھا اپنے پاس۔ مجھے پیسے دے۔

طالبِ علم نے کہا: میرے پاس پیسے تو نہیں ہیں۔ موچی کسی صورت

نہ مانا۔اور بغیر پیسے کے جوتا مرمت نہ کیا۔طالبِ علم اپنے استاد کے پاس گیا اور سارا واقعہ سُنا کر کہا:لوگوں کے نزدیک دین کی قیمت کچھ بھی نہیں۔استاد عقل مند تھے:

طالبِ علم سے کہا:اچھا تم ایسا کرو: میں تمہیں ایک موتی دیتا ہوں تم سبزی منڈی جا کر اس کی قیمت معلوم کرو۔وہ طالبِ علم موتی لے کر سبزی منڈی پہنچا اور ایک سبزی فروش سے کہا:اس موتی کی قیمت لگاؤ۔اس نے کہا کہ تم اس کے بدلے یہاں سے دو تین لیموں اُٹھا لو۔اس موتی سے میرے بچے کھیلیں گے۔وہ بچہ استاد کے پاس آیا اور کہا: اس موتی کی قیمت دو یا تین لیموں ہے۔

استاد نے کہا:اچھا اب تم اس کی قیمت سُنار سے معلوم کرو۔وہ گیا اور پہلی ہی دکان پر جب اس نے موتی دکھایا تو دکان دار حیران رہ گیا۔

اس نے کہا اگر تم میری پوری دکان بھی لے لو تو بھی اس موتی کی قیمت پوری نہ ہوگی۔طالبِ علم نے اپنے استاد کے پاس آ کر ماجرا سُنایا۔ استاد نے کہا:

بچے!ہر چیز کی قیمت اس کی منڈی میں لگتی ہے۔دین کی قیمت اللہ کی منڈی میں لگتی ہے۔اس قیمت کو اہلِ علم ہی سمجھتے ہیں۔جاہل کیا جانے دین کی قیمت کیا ہے۔

بیوی کی بھی عزت نفس ہوتی ہے

بیوی کو نصیحت کرنی ہو تو تنہائی میں اور تعریف کرنی ہو تو سب کے سامنے کرو۔لوگوں کے سامنے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔لوگوں کے سامنے بے عزت کر دیتے ہیں اور ڈانٹ پلا دیتے ہیں اپنے طور پر تو ہو اچھے بن جاتے ہیں دوسروں کو تاثر یہ مل جاتا ہے کہ دیکھو گھر میں میرا کتنا کنٹرول ہے۔بہن کے سامنے بیوی کو ڈانٹ دیا۔اور ماں کی نظر میں بڑے اچھے بن گئے ہاں میرا بیٹا تو گھر میں برا کنٹرول رکھتا ہے۔بہن کہتی ہے کہ میرے بھائی کا تو گھر میں بہت کنٹرول ہے۔یوں وہ اپنے ماں بہن کی نظر میں بڑے اچھے بن گئے مگر حقیقتاً اپنی بیوی کی نظر میں انہوں نے اپنے وقار کو صفر بنا دیا۔جب کسی کو عزت نفس کو مجروح کیا جاتا ہے تو پھر انسان کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور یہ چیز گناہ میں شامل ہے لہذا اس کی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہیے اس کو نصیحت کرنی ہے تو تنہائی میں کرو اور تعریف کرنی ہے لوگوں کے سامنے کرو،اس نصیحت کو زندگی کا اصول بنا لو تنہائی میں اگر بیوی کو جلی کٹی بھی سنا دو گے بیوی برداشت کر لے گی۔مگر لوگوں کے سامنے کی ذلت برداشت کرنا مشکل ہے۔اس لئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بیوی کو دوسروں کے سامنے کبھی بھی اس طرح تنقید کا نشانہ نہ بناؤ وہ زندگی کی ساتھی ہے تھوڑا وقت جو دونوں کو علیحدگی میں ملتا ہے اس میں ایک دوسرے کو سمجھا دو جو سمجھانا ہے لوگوں میں تماس قسم کی باتیں نہ کرو۔

اخلاق اور اعمال

کہتے ہیں کہ ایک دن شیطان بیٹھا رسیوں کے پھندے تیار کر رہا تھا..کچھ موٹی موٹی رسیوں کے پھندے تھے کچھ باریک اور کمزور رسیوں کے پھندے تھے..وہاں سے ایک علم والے کا گذر ہوا تو اس نے شیطان سے پوچھا..''ارے او دشمن انساں!یہ کیا کر رہے ہو..؟''شیطان نے سر اٹھا کر دیکھا اور اپنا کام جاری رکھتے ہوئے بولا..''دیکھتے نہیں حضرت انسانوں کو قابو کرنے کے لیے پھندے تیار کر رہا ہوں..''حضرت نے پوچھا..''یہ کیسے پھندے ہیں کچھ موٹے کچھ ہلکے..؟''

شیطان نے جواب دیا..''پھندے ان لوگوں کے لیے ہیں جو شیطان کی باتوں میں نہیں آتے..لہٰذا مختلف قسم کے پھندے تیار کرنے پڑتے ہیں..کچھ خوشنما کچھ موٹے کچھ باریک۔''ان حضرت کے دل میں تجسس پیدا ہوا..پوچھا..''کیا میرے لیے بھی کوئی پھندا ہے..؟''

شیطان نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا:

''آپ علم والوں کے لیے مجھے پھندے تیار نہیں کرنے پڑتے..آپ لوگوں کو تو میں چٹکیوں میں گھیر لیتا ہوں..علم کا تکبر ہی کافی ہے آپ لوگوں کو پھانسنے کے لیے..''

ان حضرت نے حیران ہو کر پوچھا..''پھر یہ موٹے پھندے کس کے لیے ہیں..؟''شیطان نے کہا..''موٹے پھندے اخلاق والوں کے لیے ہیں جنکے اخلاق اچھے ہیں..ان پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے..اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ اعمال میں سب سے زیادہ وزنی چیز اخلاق ہوگا...''اللہ ہم سب کو بہترین اخلاق والا بنا دے۔آمین یارب العالمین

دُنیا دھوکے کا گھر ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اُس کا ایک باغ تھا اُس کے کئی حصے تھے۔ بادشاہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ میرے لئے اس ٹوکری میں بہترین اور عمدہ قسم کے پھل لاؤ مگر شرط یہ ہے کہ جس حصہ میں جاؤ اور تمہیں پھل پسند نہ آئے تو دوبارہ اُس حصہ میں نہ آنا۔ وہ آدمی باغ کے ایک حصہ میں گیا تو وہاں اُسے کوئی پل پسند نہ آیا اس طرح وہ ایک ایک کر کے باغ کے تمام حصوں میں گیا لیکن کوئی ایک بھی پھل اُس کے دل کو نہ بھایا جب وہ آخری حصہ میں پہنچا تو حیرت زدہ ہوا کیونکہ وہاں کچھ بھی نہ تھا اور شرط کے مطابق واپس اُن حصوں میں جا نہیں سکتا تھا جہاں پھل تھا مجبوراً وہ خالی ٹوکری لے کر بادشاہ کے سامنے حاظر ہوا بادشاہ نے پوچھا میرے لئے کیا لائے ہو؟ اُس نے جواب دیا کچھ بھی نہیں۔امام غزالی فرماتے ہیں بادشاہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باغ سے مراد انسان کی زندگی اور ان زندگی سے مراد انسان کی زندگی کے ایام ہیں۔ٹوکری سے مراد انسان کا نامہ اعمال ہے۔انسان کہتا ہے کہ میں کل سے نیک اعمال شروع کروں گا اور کل سے نماز پڑھوں گا لیکن کل کل کرتے ایک دن موت اسے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور جو دن گزر جائے وہ واپس نہیں آتے۔تو یہ اللہ تعالیٰ کے پاس خالی دامن چلا جاتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا دھوکہ کے گھر ہے۔

دشمن کی گواہی لاکھ پہ بھاری

مولوی ثناء اللہ امرتسری اعتراف کرتے ہیں۔مرزا جی نے بقول خود قریبا چالیس سال تبلیغ فرمائی کیا تقریر سے کیا تحریر سے کیا مناظرات سے تحریر سے تو اتنی کہ کوئی ملک شاید ہی خالی رہا ہوگا جہاں ان کی تحریر نہ پہنچی ہو۔ (رسالہ اہلحدیث مارچ 1931)

قطع نظر مذہبی اختلاف کے ہم ان کو ہندوستان کے بڑے آدمی جانتے ہیں... مرزا صاحب نے جو مقاصد بیان کئے تھے وہ اتنے عالیشان تھے کہ ان میں وہ کامیاب ہوجاتے تو آج نہ ہندوستان میں کوئی اختلاف ہوتا نہ حکومت غیر میں۔ نہ ست گرہ نہ گول میز کانفرنس ہوتی نہ اس کی ضرورت پڑتی کیونکہ وہ اپنی حرکت کا منتہا دنیا کی اقوام میں وحدت فرماتے ہیں وحدت بھی وہ جو مذہب اسلام پر سب کے اجتماع سے حاصل ہو۔(رسالہ اہلحدیث جنوری 1932ء)

خرابی

ٹی وی خراب ہوجائے تو کہتے ہیں کہ بچوں نے خراب کر دیا ہے بچے خراب ہوجائیں تو کہتے ہیں کہ ٹی وی نے خراب کر دئے ہیں۔

دوستی اور دشمنی

انسان دوست ظالم لوگ اور قومیں اپنے پاگل پن کی وجہ سے ہمیشہ دشمن پیدا کرتی ہیں اور پھر جنگ وجدل ان کو تباہ و برباد کرنے میں لگی رہتی ہیں جبکہ اچھے لوگ اور قومیں ساری دنیا میں زندگی بسر کرتی ہیں جس سے دنیا میں امن آتا ہے۔ (بشارت احمد بشارت جرمنی)

انچارج

میاں بیوی چوری کے موضع پر گفتگو کرتے ہیں۔

خاوند ''جو شخص چوری کرتا ہے وہ بعد میں پچھتاتا ہے۔

بیوی رومانٹک موڈ میں تھی ''اور آپ نے جو شادی سے پہلے میری نیندیں چرائی تھیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

خاوند بکواس کر تو رہا ہوں وہ بعد میں ضرور پچھتاتا ہے۔''

عورت

عورت نشہ ہے، فریب ہے، سراب ہے، رسوائی ہے اور وہ سب کچھ ہے جو انسان کو بدی کی طرف راغب کرتا ہے۔عورت پاکیزگی ہے، عصمت ہے، سراپا تقدیس ہے اور سب کچھ ہے جو انسان کو انسانیت کے معراجِ کمال پر لے جاتا ہے۔جس آسانی سے یہ ایمان کو غارت کر سکتی ہے اُسی آسانی سے یہ اُسے عطا بھی کر سکتی ہے۔

(اقتباس: گومی اور پنڈت از کرشن چندر)

عورت

عورت رنج میں ساتھ دیتی ہے اور راحت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ باعصمت عورت عموماً مغرور اور شوخ ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی عصمت

پر ناز ہوتا ہے۔عورت مرد کے لئے بیش بہا نعمت اور خدائی برکت ہے۔ عورت نہایت بے تکلفی کے ساتھ شوہر سے ان مشکلات کا شکوہ کرتی ہے جو اسے گھر میں پیش آتی ہے۔لیکن اگر اُسے عیش و آرام میسر ہو تو وہ شاذ و نادر ہی اس کا ذکر کرتی ہے۔

سب رشتوں میں مردوں کا ناپ پہلے آتا ہے

دادا دادی نانا، نانی۔چچا چاچی ماموں ممانی۔ بھتیجا بھتیجی نواسا نواسی۔ بھائی بھابھی میاں بیوی۔سیٹھ سیٹھانی بیٹا بیٹی، بھائی بہن،صرف ایک ہی رشتہ ایسا ہے جس میں عورت کا نام پہلے آتا ہے۔وہ ہے۔

ماں باپ۔واہ کیا مقام ہے ماں کا۔

کمزور یا طاقتور

سانپ جب زندہ ہوتا ہے تو چیونٹیاں کھاتا ہے۔

اور جب سانپ مرجاتا ہے تو چیونٹیاں اُسے کھالیتی ہیں۔

وقت کبھی بھی بدل سکتا ہے۔ایک درخت سے کئی لاکھ ماچس کی تیلیاں بنتی ہیں۔

مگر ایک ماچس کی تیلی کئی لاکھ درخت جلاسکتی ہے وقت کبھی بھی بدل سکتا ہے۔

اس لئے زندگی میں کسی کو مت ستانا شاید آپ طاقتور ہو

مگر مت بھولو کہ وقت آپ سے زیادہ طاقتور ہے

دو جملے جو کثرت سے استعمال ہوتے ہیں

ایک توبہ استغفار۔دوسرا مجبوری سے۔ پہلا تب استعمال ہوتا ہے جب ہم دوسروں کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں جب کہ دوسرا تب استعمال ہوتا ہے جب خود ہم سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے۔اگر ان جملوں کی جگہ آپس میں تبدیل کرلیں تو یقین جانئے ان دونوں جملوں کا حق ادا ہوجاتا ہے۔

جماعت علی شاہ

اس شخص کا نام جماعت علی شاہ ہے۔یہ وہ غدار ہے جو 1993 سے لے کر 2010 تک پاکستان کا انڈس واٹر کمشنر رہا اور اس نے اپنے دور میں بھارت کو پاکستانی دریاؤں پر 60 سے زیادہ چھوٹے بڑے ڈیم بنانے کی اجازت دی۔اس جیسے غدار کو کیا سزا دینی چاہیے؟

ذرہ سوچئے

۵لاکھ کی گاڑی میں ساٹھ ستر ہزار کی موٹر سائیکل میں بھی کبھی آپ مٹی کا تیل نہیں ڈالتے ؟؟؟ کیوں؟؟؟ کیونکہ گاڑی کا انجن خراب ہو جائے گا۔اچھا ساٹھ ستر ہزار کی گاڑی کی اتنی فکر!!! کبھی منہ میں شراب گٹکا اور تمباکو ڈالنے سے پہلے سوچا کہ کڈنی یا لیور خراب ہوگیا تو کیا ہوگا۔ کروڑوں کے اس انمول جسم کے انجن کی اتنی ہی فکر کرلو جتنی اپنی گاڑی کی کرتے ہو۔یاد رکھو دنیا کے لئے آپ ایک انسان ہو لیکن اپنی فیملی کے لئے پوری دنیا ہو۔پلیز اپنا خیال رکھیں۔

ازدواجیات

میرا دوست کہتا ہے دنیا کا سب سے پہلا مہذب جانور ''خاوند'' ہے۔میں نے پوچھا تو دوسرا...؟ جواب ملا ''دوسرا خاوند'' خاوند کبھی بیوی کا آئیڈیل نہیں ہوسکتا اور جو آئیڈیل ہوتا ہے وہ کبھی اس کا خاوند نہیں ہوتا۔ویسے خاوند اچھا عاشق بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس کی بیوی کو پتہ نہ چلے۔عورت کی آدھی زندگی خاوند کی تلاش میں گزر جاتی ہے اور باقی آدھی خاوند کی ''تلاشی'' میں۔خوشگوار ازدواجی زندگی کیلئے ضروری ہے کہ کبھی خاوند بیوی سے معافی مانگ لیا کرے اور کبھی بیوی کو چاہئے کہ خاوند کو معاف کردیا کرے۔جس خاوند کو اس کی بیوی عظیم کہہ کر یقین کرلے کہ اس کا نام ''عظیم'' ہوگا۔کوئی کچھ بھی کہے خاوند سے زیادہ کثیر الفوائد آئٹم بیوی کے لئے اور کوئی نہیں ہے۔نقل و حمل کے لئے بھی خاوند بہترین ہے۔یہاں ''نقل'' اور ''حمل'' سے مراد وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

پرسکون نیند لانے کی ترکیب

اگر آپ دن بھر کام کرتے کرتے بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس کررہے ہوں اور آپ کی طبیعت مضمحل و پریشان سی ہو تو سادہ چائے یعنی بغیر دودھ کی چائے میں تین چار قطرے لیموں کا رس ڈال کر پئیں اس کے علاوہ رات کو بستر پر جانے سے پہلے گرم پانی میں نمک ملا کر اپنے پاؤں کو تھوڑی دیر تک اس پانی میں رکھیں اس سے آپ کو بہت سکون ملے گا اور رات کو بہت سکون سے نیند آئے گی۔

www.apnafood.net

صحت سے متعلق خبریں

کھانے میں چکنائی کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی ختم ہوجاتی ہے: ماہرین صحت

اسلام آباد (سی این این) ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ لہسن بینائی کی بحالی میں معاون ہے۔ ہارورڈ میڈیکل سکول کے سائسدانوں کی تحقیق کے دوارن 800 سے زیادہ ایسے افراد کا جائزہ لیا گیا جن کی بینائی ضائع ہوچکی تھی۔ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ کھانے میں چکنائی کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی ختم ہوجاتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر کھانے میں الی سین اور لائینولیم ایسڈ کی مقدار زیادہ ہوگی تو اس کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لہسن کے استعمال سے خون پتلا ہوتا ہے اور اس میں موجود چکنائی کم ہونے لگتی ہے اور خراب بینائی بھی ٹھیک ہونے لگتی ہے۔ لہسن میں موجود انٹی آکسیڈینٹس کی وجہ سے دل کے امراض بھی دور ہوتے ہیں اور کولیسٹرول کی مقدار بھی کم ہونے لگتی ہے۔

(بشکریہ:www.cnnurdu.tv)

ذرا محتاط رہیے کیونکہ زیادہ لیٹنا آپ کی صحت کے لئے انتہائی خطرناک بھی ہوسکتا ہے

لاہور (سی این این) یقینا تھکاوٹ کے بعد آرام سب کو ہی اچھا لگتا ہے لیکن ذرا محتاط رہیے کیونکہ زیادہ لیٹنا آپ کی صحت کے لئے انتہائی خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔ جی ہاں یہ بات ایک حالیہ تحقیق کے نتیجے میں سامنے آئی ہے۔ امریکہ میں ناسا نے ایک شخص کو 18 ہزار ڈالرز دے کر 70 دن تک بستر پر لیٹے رہنے کی ملازمت دی جو سننے میں تو بہترین لگتی ہے۔ ایسا ایک تحقیق کے لیے کیا گیا اور نتیجے میں معلوم ہوا کہ 70 دن بعد جب وہ شخص بستر سے اترا تو اس کے دل کی دھڑکن کی رفتار 150 فی منٹ تک پہنچ گئی تھی اور اسے ہوش میں رہ کر سیدھا کھڑے ہونے میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ تحقیق کے مطابق بستر پر زیادہ وقت گزارنے کے جسم پر انتہائی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہ عادت جلد کے ٹشوز کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح بستر پر لیٹے رہنے کے نتیجے میں مسلز کے حجم اور مضبوطی میں نمایاں کمی آتی ہے جبکہ ہڈیاں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ عادت تناوغ اور ذہنی فکرمندی جیسے عوارض کا باعث بھی بنتی ہے۔

(بشکریہ:www.cnnurdu.tv)

قہقہہ سے قلیل المدت یاداشت کو بہتر بنانے میں معاون ہے: ماہرین

واشنگٹن (سی این این) ماہرین نے کہا ہے کہ قہقہہ سے قلیل المدت یاداشت کو بہتر بنانے میں معاون ہے۔ یہ بات امریکہ کی لومالنڈا یونیورسٹی کے ماہرین نے ایک حالیہ تحقیق میں کہی ہے۔ تحقیق میں 40 معمر افراد پر مشتمل گروپ کو دو حصوں میں بنایا گیا۔ پہلے گروپ کو 20 منٹ تک مزاحیہ ویڈیوز دکھائے گئے جبکہ دوسرے گروپ کو خاموشی سے بیٹھنے کو کہا گیا۔ بعدازاں دونوں گروپوں کے ارکان سے قلیل المدت یاداشت

پر مبنی ٹیسٹ لئے گئے۔ ماہرین کے مطابق مزاحیہ ویڈیو دیکھنے والے افراد نے اس ٹیسٹ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ماہرین کے مطابق اس تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ایک بھرپور قہقہہ قلیل المدت یاداشت کو بہتر بنانے کے علاوہ ذہنی دباؤ سے نجات دلانے میں بی معاون ہے۔

(بشکریہ:www.cnnurdu.tv)

نئی زبانیں سیکھنے سے دماغی لچک میں اضافہ ہوتا ہے

ہیلسنکی، فن لینڈ: طبی ماہرین نے انکشاف کیا ہے کہ نئی زبانیں سیکھنے سے دماغی لچک میں اضافہ ہوتا ہے اور دماغ میں نئے سرکٹ بننے کے ساتھ اس میں نئی معلومات جذب کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ سائنٹفک رپورٹس میں شائع ہونے والی اس تحقیقی رپورٹ کے مطابق یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لوگ جتنی زیادہ زبانیں سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اس سے دماغی سرکٹ کو نئی معلومات کو کوڈ کرنے والا حصہ اتنا ہی تیزی سے متحرک ہوتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ انسانی زبان سیکھنے کے عمل کو سمجھنے سے فالج اور حادثات کے بعد لوگوں کو دوبارہ بولنے کے قابل بنانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین پیچیدہ دماغی سرکٹ کو سمجھنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق اس عمل کو سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق نئی زبان سیکھنے کے بہت سے ذہنی اور دماغی فوائد ہوتے ہیں۔ اس سے ڈیٹا پروسیسنگ اور معلومات کو جذب کرنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ تجرباتی طور پر ماہرین نے اوسط 24 سال کی عمر کے 10 مرد اور 12 خواتین کو بھرتی کیا اور زبانیں سیکھنے کے دوران ان کی دماغی کیفیت کو ای ای جے کے ذریعے نوٹ کیا۔ لیکن یہ نئے الفاظ سیکھنے کی مشقیں تھیں۔ تمام رضا کار صرف فن لینڈ کی زبان ہی جانتے تھے اور جیسے ہی رضا کار اجنبی یا جانے ہوئے لفظ سے واقف ہوا اس کی دماغی سرگرمی میں تبدیلی واقع ہوئی۔ رپورٹ کے سینیئر محقق کے مطابق نتائج سے ظاہر ہے کہ نئی زبان سیکھنا ہر عمر کے دماغ کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ (بشکریہ ایکسپریس نیوز۔ 4 ستمبر 2016)

بادام کولیسٹرول لیول برقرار، جلد کو شگفتہ، بالوں کو مضبوط بناتا ہے

لندن (ٹیکنالوجی ڈیسک) بادام صرف یاداشت بہتر نہیں بناتا بلکہ دیگر بیماریوں سے بھی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امریکی شہر بوسٹن میں ہونے والی ایک تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ بادام میں موجود قدرتی اینٹی آکسیڈنٹس کسی بھی قدرتی شے کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں جو کولیسٹرول کو بڑھنے سے روکتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بادام میں وٹامن ای، بی اور ڈی کی بھی وافر مقدار موجود ہوتی ہے جو جسمانی تندرستی سمیت جلد کی شگفتگی اور بالوں کی مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔

عالمی خبریں

برطانیہ میں پاکستانی ارب پتی نوجوان کی سونے کی کار لندن پولیس نے ضبط کر لی

لندن: برطانیہ میں پاکستانی ارب پتی نوجوان کی سونے کی کار گزشتہ ہفتے لندن پولیس نے اس وقت ضبط کر لی جب وہ اپنی کار 'مسراٹی' کو کنگسٹن سے گرین کیبر یو لے جا رہے تھے۔ کنگسٹن پولیس کا کہنا تھا کہ بورو کے علاقے میں انشورنس کے بغیر گاڑی چلانے والوں کے لیے کوئی رعایت نہیں اور اس پر سخت ترین جرمانہ عائد کیا جاتا ہے جب کہ اس سے قبل بھی اپریل میں نوجوان پر پارکنگ ٹکٹ ادا نہ کرنے پر جرمانہ عائد کیا گیا تھا۔ نوجوان حمزہ شیخ ریجنٹ یونیورسٹی میں بزنس کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور پراپرٹی کا کام بھی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے اسٹاف نے بتایا کہ پولیس ایک گھنٹے سے میری کار کو دیکھ رہی تھی۔ حمزہ کا کہنا تھا کہ جب پولیس نے انہیں روکا تو اس وقت تک وہ اپنا تھیوری ٹیسٹ مکمل کر چکے تھے، میں تعلیم اور کاروبار میں مصروف رہتا ہوں اور جب انشورنس کمپنی کی جانب سے مجھے کوائف جمع کرنے کے بارے میں ایک خط بھیجا گیا تو وہ مجھے نہیں مل سکا اور غلطی کی وجہ بھی یہی ہے۔ حمزہ کا کہنا تھا کہ میں ارب پتی ہوں اور میسراٹی کار چلانے سے کئی لوگ جلتے ہیں، اگر میرے پاس رقم ہے تو میں یہ کار کیوں نہ چلاؤں کیونکہ یہ اللہ کا فضل اور میری ماں کی دعا کا ثمر ہے، جلن اور حسد دماغی کینسر ہے اور جو اس میں مبتلا ہیں انہیں اپنا علاج کرانا چاہئے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں اپنے خاندان کا ''سنہرا بچہ ہوں'' اسی وجہ سے میری کاریں بھی سنہری ہوتی ہیں۔ (ایکسپریس نیوز 4 ستمبر 2016)

پاکستان میں بھی موٹر سائیکل ٹیکسی سروس

پاکستان میں پہلی مرتبہ موٹر سائیکل ٹیکسی سروس کا آغاز ہوا ہے۔ 'کارگر' نامی اس موٹر سائیکل ٹیکسی سروس کا آغاز ابتدائی طور پر پاکستان کے دو شہروں راولپنڈی اور وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے درمیان کیا گیا ہے۔ 'کارگر' کے چیف ایگزیکٹیو آفیسر فاران احمد نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اسلام آباد کے گریجویٹ اور سافٹ ویئر ڈیزائنر ہیں۔ یہ پروجیکٹ اسی یونیورسٹی کے چند طلبہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ 'کارگر' کا آغاز ایک ایسے وقت میں کیا گیا ہے جب پاکستان میں 'اُوبر' اور 'کریم' جیسی آن لائن ٹرانسپورٹ سروس کام کر رہی ہیں مگر 'کارگر' کے فاران احمد کا کہنا ہے کہ اُن کی یہ سروس ماحول دوست ہونے کے ساتھ ساتھ مسافروں کی جیب پر بھاری بھی نہیں پڑتی۔ 'کارگر' کا استعمال خاصا آسان ہے اسے ایک آن لائن ایپ کی مدد سے موٹر سائیکل ٹیکسی کو اُس مقام پر بُلا سکتے ہیں جہاں آپ موجود ہوں۔ بی بی سی اردو سے منسلک صحافی عبید ملک سے بات کرتے ہوئے کمپنی کے مالک کا کہنا تھا کہ کارگر 15 روپے ایک کلومیٹر کا کرایہ اور 20 روپے سروس چارجز وصول کرتی ہے، اور مسافر کی سہولت اور اُن کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُنھیں ہیلمٹ، بارش کی صورت میں رین کوٹ اور موبائل چارج کرنے کے لیے ایک پورٹ ایبل بیٹری بھی فراہم کی جاتی ہے۔ 'یہ خیال مُجھے اُس وقت آیا جب میں انڈونیشیا میں تھا، کیونکہ انڈونیشیا میں موٹر سائیکل ٹیکسی کا بہت رواج ہے اور اس سروس کا خاصہ ٹریفک کا رش، اس سروس کا سستا ہونا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کم وقت میں پہنچا دینا ہے۔ (www.urdutribe.com)

دنیا بھر میں پانچ کروڑ بچے بے گھر اور نقل مکانی پر مجبور ہوئے: رپورٹ

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال ''یونیسف'' نے بتایا ہے کہ دنیا میں لگ بھگ پانچ کروڑ بچے یا تو اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے یا پھر اندرون ملک ہی انھیں دربدری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔اپنی ایک تازہ رپورٹ میں ''یونیسف'' کا کہنا تھا کہ دنیا میں پرتشدد واقعات کے باعث تقریباً دو کروڑ 80 لاکھ بچوں کو نقل مکانی کرنا پڑی جب کہ اتنی ہی تعداد اپنے والدین کے ساتھ بہتر زندگی کی تلاش میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئی۔

رپورٹ کے مطابق 2015ء تک دنیا کی آبادی کا تیسرا حصہ بچوں پر مشتمل تھا اور دنیا میں پناہ گزینوں کی کل تعداد کا نصف بھی بچوں پر مشتمل ہے جو کہ گزشتہ دہائی کی نسبت دگنی تعداد بنتی ہے۔جنیوا میں یونیسف کے ڈائریکٹر پروگرام ٹیڈ چیبان کہتے ہیں کہ ''جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ دربدر ہونے والے بچے ہیں اور ان کے ساتھ بچوں جیسا سلوک ہی کیا جانا چاہیئے۔یہ تحفظ کے مستحق ہیں، یہ تعلیم جیسی کئی سہولتوں کے مستحق ہیں۔'' رپورٹ کے مطابق ایک کروڑ بچے پناہ گزین ہیں اور دس لاکھ ایسے ہیں جو پناہ کے متلاشیوں میں شامل ہیں جن کی حیثیت کا تا حال تعین ہی نہیں کیا جا سکا ہے۔تقریباً ایک کروڑ 70 لاکھ بچے تنازعات کے شکار ملکوں میں رہتے ہوئے ہی بے گھر ہوئے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ تقریباً 45 فیصد پناہ گزین بچے صرف دو ملکوں، افغانستان اور شام سے تعلق رکھتے۔تقریباً دو کروڑ تارکین وطن بچے ایسے ہیں جو غربت اور جرائم پیشہ گروہوں کے تشدد کے باعث اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔رپورٹ کی مصنفہ ایملی گارن کا کہنا تھا کہ ''دنیا کو ہر پناہ گزین بچے کی کہانی سننی ہے تو وہ بچے کی مدد کرنے کے قابل ہوگی لیکن جب ہم لاکھوں بچوں کی بات کرتے ہیں تو یہ شدید غم و غصے کو جنم دیتا ہے اور اس بات کی ضرورت پر زور دیتا ہے کہ اس بڑھتے ہوئے مسئلے پر توجہ دی جائے۔'' رپورٹ میں بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا گیا کہ ان بچوں کو تحفظ، تعلیم اور صحت کی سہولتیں فراہم کرے اور حکومتوں سے اس مسئلے کا باعث بننے والی وجوہات پر توجہ دینے کا کہا۔ www.urduvoa.com

چین میں کچھ انوکھا ہی ہے جہاں ایک پورا گاؤں نہ صرف کنواروں کا ہے بلکہ اس کے رہائشی تمام کے تمام مرد ہیں

بیجنگ (سی این این) شادی کر کے گھر بسانا تقریبا دنیا کے ہر فرد کی خواہش ہے لیکن چین میں کچھ انوکھا ہی ہے جہاں ایک پورا گاؤں نہ صرف کنواروں کا ہے بلکہ اس کے رہائشی تمام کے تمام مرد ہیں۔لاویا نامی یہ گاؤں مشرقی چین میں واقع ہے۔2014 میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق یہاں کی کل 1600 کی آبادی میں 30 سے 55 سال کی عمر کے 112 کنوارے مرد تھے۔جو انتہائی غیر معمولی بات ہے۔گاؤں کے باسی کہتے ہیں یہاں کی ثقافت میں لڑکوں کو لڑکیوں پر فوقیت دی جاتی ہے، اسی وجہ سے 1980 کے دہائی کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی ایک بچے والی پالیسی نے اسقاطِ حمل کو بڑھاوا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکیسویں صدی میں مردوں کی شادی کے مواقع کم ہو گئے۔یہاں آمدورفت مشکل ہے اور خواتین یہاں بسنا ہی نہیں چاہتیں۔لاویا چونکہ دور دراز علاقہ ہے اس لیے یہاں بنایا گیا کوئی نیا گھر بھی کسی عورت کو واپس آ کر کسی کی بیوی بننے پر رضامند نہیں کر سکا۔یہ محض کنواروں کا گاؤں نہیں ہے بلکہ یہ چینی دیہات کی مشکلات کا عکاس بھی ہے۔(بشکریہ:www.cnnurdu.tv)

سکول ٹیچر نے اپنے جسم کا اہم حصہ ایسی شخصیت کو دے دیا کہ جان کر آپ بھی حیران رہ جائیں گے

نیو یارک (نیوز ڈیسک) دنیا میں لوگ بے غرض ہوکر دوسرے انسانوں کی مدد کرتے ہیں اور ایسا ہی کچھ ایک سکول ٹیچر نے بھی کیا جس نے اپنا گردہ ایک ایسی معصوم بچی کو دے دیا جس کے دونوں گردے ناکارہ ہو چکے تھے۔تفصیلات کے مطابق چار سالہ لیلی کیرین کے دونوں گردے ایک خطرناک بیماری کی وجہ سے ناکارہ ہوگئے اور اسے ڈائلیسز پر زندہ رہنا پڑتا تھا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اب اسے خڈنی لگائے بغیر زندہ نہیں رکھا جاسکے گا۔اس کی فیملی نے امریکہ بھر میں ایک تحریک لانچ کی جس میں انہوں نے اپنی بچی کے لئے گردے کی اپیل کی۔خوش قسمتی سے اس کی پری سکول ٹیچر بیتھ بیٹیسٹا کا گردہ اس کے ساتھ میچ کر گیا اور وہ اسے گردہ دینے کے لئے بھی تیار ہوگئی۔کیلی کی والدہ ڈینا کیرین کا کہنا ہے کہ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب لیلی کی سکول ٹیچر نے گردے دینے کی بخوشی حامی بھری۔اس کا کہنا تھا کہ وہ بیتھ کی بہت زیادہ شکرگزار ہے اور اس کے پاس اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان 26 ستمبر2016)

شیروں سے بچاؤ کے لیے نقلی آنکھیں

دس ہزار سال سے بھی زائد عرصے سے جب سے انسان نے افریقہ میں مویشوں کو خوراک کے حصول کے لیے پالنا شروع کیا ہے مگر شیر ایک بہت بڑا مسئلہ رہے ہیں۔شیر بلکہ زیادہ تر شیرنیاں جو اصل شکاری ہوتی ہیں یہاں کے چھوٹے کسانوں کا ذریعۂ معاش تباہ کر دیتی ہیں حتٰی کہ اگر یہ ایک ہی گائے ہو جو حاملہ ہو یا دودھ دیتی ہو۔بوٹسوانا کی بہترین تحفظاتی پالیسیوں کا ہی کمال ہے کہ افریقہ کے سب سے زیادہ شیر یہاں ہیں جن کی تعداد ایک اندازے کے مطابق 3000 ہے۔

جنوبی افریقہ میں خشک موسم کی وجہ سے جنگلی حیات کے لیے محفوظ مقامات کم ہو رہے ہیں وہیں گلہ بان بھی نئی چراگاہوں کی تلاش میں ہیں۔اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ انسانوں اور شیروں کا آمنا سامنا بڑھ گیا ہے۔غریب کسان رات کے وقت اپنی مویشی لکڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں سے بنے باڑوں میں رکھتے ہیں۔کچھ لوگ کتے پال لیتے ہیں جو خطرہ پاتے ہیں بھونکنے لگتے ہیں۔گو کہ بوٹسوانا میں شکار غیر قانونی ہے تاہم کچھ لوگ شیروں کو گولی مار دیتے ہیں یا زہر رکھتے ہیں۔شیروں کا تو کچھ نہیں کیا جا سکتا تاہم کچھ اقدامات ایسے ہیں جن کی مدد سے ان کی وجہ سے ہونے والے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ایک فلاحی ادارے کے ساتھ کام کرنے والے نیل جارڈن کا خیال ہے کہ انہیں اس کا ایک حل مل گیا ہے۔ایک مرتبہ انھوں نے دیکھا کہ ایک شیر 30 منٹ تک ایک ہرن کے لیے گھات لگائے بیٹھا رہا لیکن جونہی اس نے پلٹ کر شکار کو دیکھا شیر نے اپنا ارادہ بدل دیا۔اس بات سے انہیں یہ خیال آیا کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے نے ہرن کی جان بچالی۔انھوں نے سوچا 'کیا اگر جانوروں کے کولہے پر پیچھے کی جانب آنکھیں پینٹ کر دی جائیں تو اس کا بھی ایسا ہی اثر ہوگا؟' (بشکریہ بی بی سی اردو سائنس 16-9-16)

جانوروں کی دنیا

عجیب وغریب جانور

سائنسدان ہر سال جانوروں کی نئی اور ناقابل یقین اقسام دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اور ان اقسام کی تعداد صرف تھوڑی سی نہیں بلکہ ہزاروں کی صورت میں ہوتی ہیں۔لیکن بچو! ہم چند ایسے ہی اقسام کے بارے میں بتا رہے ہیں جنہیں حال ہی میں دریافت کیا گیا ہے۔

Electrical SeaSlug

یہ سمندری گھونگھے کی ایک نئی قسم ہے جو کہ جاپان کے اوناگاؤں کے نزدیک

سے دریافت کی گئی ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے اس سمندری گھونگھے سے وابستہ کچھ حقائق اب بھی پوشیدہ ہیں۔ یہ گھونگھا دیگر سمندری گھونگوں کے درمیان ہی رہتا ہے راس کی غذا سمندر کے وہ پودے ہیں جو عام گھونگھے نہیں کھاتے

X-Phyla

یہ دیکھنے میں کسی مشروم کی مانند لگتے ہیں جبکہ جانور کی یہ نئی قسم آسٹریلیا کے

Point Hicks نامی سمندر میں 3200 فٹ کی گہرائی میں سمندری تہہ میں دریافت کی گئی ہے۔ یہ انتہائی چھوٹے ہوتے ہیں اور مشکل سے دکھائی دیتے ہیں۔ سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ یہ جیلی فش سے تعلق رکھتے ہیں۔

Bone House Wasp

یہ کیڑا چین میں دریافت ہوا ہے اور یہ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ایک منفرد طریقہ اپناتا ہے۔ یہ جب اپنا گھروندہ بناتے ہیں تو ساتھ ہی سیلز یا خانے بھی بناتے ہیں۔ یہ انڈے دیتے ہیں اور وہاں مردہ مکڑی چھوڑ دیتے ہیں اور سیل کو بند کر دیتے ہیں۔

آخری خانے میں مکڑی کا استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ مردہ چیونٹیاں رکھی جاتی ہیں۔ ان مردہ چیونٹیوں سے ایک ایسا کیمیکل خارج ہوتا ہے جس کی بو ان انڈوں کو شکاریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

Bracycephalus Frog

یہ مینڈک برازیل کے جنگلات سے دریافت کیا گیا ہے اور یہاں سے اس مینڈک کی 7 اقسام دریافت کی گئی ہیں۔ یہ مینڈک 1 سینٹی میٹر طویل اور مختلف رنگوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کی جلد زہریلی ہوتی ہے جو انہیں شکاریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ چمکدار رنگوں کے ہونے کے علاوہ خطرناک حد تک زہریلے ہوتے ہیں کہ ان کو ہاتھ لگانے والے کی موت واقع ہو جائے۔

بشکریہ ڈیلی نیوز پاکستان

کھودا پہاڑ نکلا چوہا

رات بھر وہ خوف سے کپکپاتا رہا

عفیفہ عمران، حیدرآباد

فاران کو جاسوسی کرنے کا بے حد شوق تھا وہ اپنے آپ کو جاسوسی فلموں کا ہیرو سمجھتا تھا۔ اس کے گھر والے اس عادت سے بہت تنگ تھے۔ "فاران پر اگر اسی طرح جاسوسی کا بھوت سوار رہا تو کسی دن یہ ہم سب کے لیے کوئی بڑی مصیبت نہ کھڑی کردے۔ انہی باتوں کی وجہ سے اس کا پڑھائی میں بھی دل نہیں لگتا۔ آخر اس کا ہوگا کیا" امی نے متفکر ہوکر ابو سے کہا۔ "اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں لیکن اس کے کانوں پر تو جیسے جوں ہی نہیں رینگتی۔ آئے دن محلے سے شکایتیں آتی رہتی ہیں۔ بس اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اسے بورڈنگ میں داخل کرادوں گا، وہاں پابند رہے گا تو جاسوسی کا شوق ختم ہوجائے گا"۔ ابو غصے سے بولتے چلے گئے۔ بالآخر فاران کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل کروادیا گیا۔ یہاں صبح کے ناشتے کے لیے رات میں ہی ہر بچے کا بن ڈبل روٹی منگوالیا جاتا تھا کیونکہ بیکری صبح جلدی نہیں کھلتی تھی۔ دو چار دن سے بورڈنگ ہاؤس میں عجیب بات محسوس کی گئی کہ روزانہ ایک بچے کا بن غائب ہوجاتا۔ فاران کی حس جاسوسی اس موقع پر پھڑک اٹھی۔ رات کو جب سب سو گئے تو وہ اپنے بستر پر بیٹھے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ اچانک اس نے ایسی عجیب بات دیکھی کہ بے اختیار لیٹ کر چادر سر تک تان لی اور کانپنے لگا۔ رات بھر وہ خوف سے کپکپاتا رہا۔ صبح پھر اسکول سراسیمگی کا عالم میں تھا کیونکہ ایک اور بن غائب تھا۔ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر فاران کو معلوم تھا کہ چور کون ہے؟ اس نے ایک بچے سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ چور کون ہے؟" "کون ہے اور تمہیں کیسے معلوم؟" بچے نے پوچھا "جن..... ن!" اس نے نون پر زور دے کر کہا،

"جن.....؟ کیا مطلب.....!" وہ بچہ اور حیران ہوگیا۔ فاران نے چہرہ خوفناک بناتے ہوئے کہا "ہاں حسن۔"

مگر وہ بجائے فاران سے متاثر ہوتا، اس کا مذاق اڑانے لگا۔ اگلی رات جب سب سو گئے تو وہ پھر جاسوسی میں لگ گیا۔ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے قریب کچھ آہٹ سنائی دی۔ اس نے ایک جھٹکے سے آہٹ کی جانب دیکھا تو اسے اپنے نیچے سے بستر نکلتا محسوس ہوا۔ ایک اور بچے کا بن خود بخود کھسک رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے کھسکتا دیکھ رہا تھا۔ اتنا بڑا گول بن زمین پر کھسک نہیں رہا تھا۔ بلکہ تھوڑا سا اوپر کو اٹھ کر فضا میں اڑ رہا تھا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے اور پھر اس نے ذرا غور سے دیکھا تو اسے بن کے نیچے ایک کالے رنگ کی چیز نظر آئی۔ اس نے کانپتے ہوئے تھوڑا جھک کر غور سے دیکھا تو اس کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔ اس کی ہنسی سن کر باقی بچے بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ "کیا ہوا؟" ایک نے پوچھا، "ارے کیوں ہنس رہے ہو اتنی رات کو؟" ایک اور بولا۔ فاران سب باتوں سے بے نیاز، بس اس بن کو دیکھے جا رہا تھا جو اب کافی دور نکل چکا تھا۔ پھر باقی بچوں کی نگاہیں بھی اس کی نگاہوں کی سیدھ میں گئیں۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ اتنے بڑے بن کے نیچے چھوٹی سے چوہیا ایسی لگ رہی تھی، جیسے کوئی پستہ قد مزدور قوم کا گدا اٹھائے چلا جا رہا ہو۔ "اچھا تو یہ ہے بن چور، دھت تیرے کی۔" کئی بچوں کے منہ سے نکلا اور کمرا قہقہوں سے گونج اٹھا۔ چوہیا ان کے قہقہوں سے خوفزدہ ہوکر بن چھوڑ کر سرپٹ بھاگ گئی۔ فاران نے بے اختیار کہا "یہ تو وہی مثال ہوگئی، کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔"

بشکریہ ڈیلی نیوز پاکستان

محاورہ کہانی

تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو

عنیقہ احمد، لاہور

پیارے بچو! یہ کہاوت ایسے موقعوں پر استعمال کی جاتی ہے، جب ہم کسی سے یہ کہنا چاہیں کہ ابھی جلدی مت کرو، پورا نتیجہ یا انجام دیکھ لو لیکن یہ کہاوت بنی کیسے، یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔!

ایک تھا شہزادہ اس کے چار دوست تھے۔ ان سب کا ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، میں سب ہی ایک دوسرے کے شریک تھے۔ ان دوستوں میں ایک تو سپاہی تھا ایک مولوی، ایک اونٹ والا اور ایک تیلی تھا۔

ایک دن اچانک بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ شہزادہ تخت نشین ہوا۔ شہزادے نے اپنی دوستی کا حق اس طرح ادا کیا کہ اپنے چاروں دوستوں کو اپنا وزیر بنا لیا اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آس پاس کے ملکوں کے بادشاہوں نے مل کر اس ملک پر حملہ کر دیا۔ اب تو شہزادے جو اب بادشاہ حضور بن چکے تھے بہت گھبرائے اور اپنے چاروں وزیر دوستوں سے صلاح مشورہ کرنے بیٹھے۔

سپاہی نے کہا "اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے بس ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیجیے فتح انشاء اللہ ہماری ہی ہوگی۔"

مولوی صاحب بولے۔ "جناب! مجھے تو اس رائے سے اتفاق نہیں جنگ ہوئی تو ہزاروں لوگ مر جائیں گے اور ان سب کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ اس لئے آپ ناحق جھگڑے میں نہ پڑیے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ ملک چھن جائے گا۔ چھن جانے دیجئے اللہ اور دیدے گا۔"

اونٹ والے نے ان دونوں کی باتیں سنیں تو کہنے لگا "حضور! آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ ہر بات کی (مہار) رسی اللہ میاں کے ہاتھ میں ہے۔ آپ تو یہ دیکھئے اونٹ کس کل (کروٹ) بیٹھتا ہے۔" یعنی معاملہ کا فیصلہ کیسے ہوتا ہے۔

اب تیلی کی باری آئی۔ اونٹ والے دوست کی بات سن کر وہ کہنے لگا "جہاں پناہ! میرے خیال میں ہمارے اس دوست ساربان (اونٹ والا) کی بات لاکھ روپے کی ہے۔ کسی کام میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ ابھی تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔" معلوم نہیں بادشاہ نے کسی کی بات مانی یا نہیں مانی۔ ہمیں تو بس یہ یاد رکھنا ہے کہ ساربان اور تیلی نے کہاوتوں کے خزانے میں دو اور کہاوتوں کا اضافہ کر دیا ہے یعنی!

"تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو"

"دیکھیے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔"

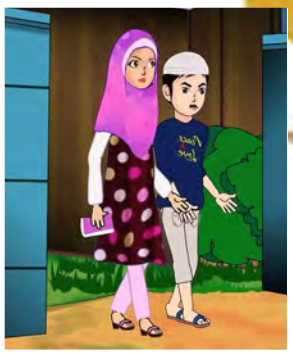

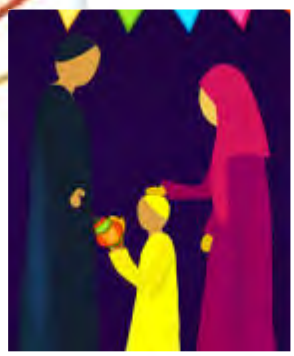

بشکریہ ڈیلی نیوز پاکستان